فیصل آباد
پاکستان

ماہنامہ

حِلّيَّة

ذوالقعدہ ۱۴۳۰ھ بمطابق اکتوبر، نومبر 2009ء



زیر ادارت
مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

نعت

ہو جائے مرا شوق ہی رہبر کسی صورت
جوں نقشِ قدم جا پڑوں در پر کسی صورت

ہے سر میں ہوائے کششِ شوقِ مدینہ
جوں بادِ صبا پہنچوں گا اڑ کر کسی صورت

جوں نقشِ قدم سر نہ اٹھاؤں ترے در سے
گرجا پڑوں مر مر کے وہاں پر کسی صورت

کھایا کروں بس ٹھوکریں زوّار کی تیرے
اے کاش ہوں در کا ترے پتھر کسی صورت

دیں ساقی کوثر جو مجھے بادۂ الفت
چھوٹے نہ لبوں سے مرے ساغر کسی صورت

ہو جا کہیں سر سبز مرا نخلِ تمنا
آ جائے نظر گنبدِ اخضر کسی صورت

ہو مغز پریشان وہیں مشک ختن کا
کھل جائے جو وہ زلفِ معنبر کسی صورت

سید الطائفہ شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ
ملیہ
فیصل آباد پاکستان

ہر اسلامی مہینے کے شروع میں شائع ہوتا ہے۔

ذوالقعدہ ۱۴۳۰ھ جلد نمبر 5
بمطابق
اکتوبر، نومبر 2009ء شمارہ نمبر 11

فہرست مضامین

بیاد
حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ
خلیفہ مجاز حضرت شاہ عبدالقادر رائپوریؒ

بفیض
حضرت سید نفیس الحسینی
رحمۃ اللہ علیہ

مدیر اعلیٰ و سرپرست
ابن انیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

مدیر
جمیل الرحمٰن لدھیانوی

نائب مدیر
جواد العزیز لدھیانوی

فی شمارہ 20 روپے — پاکستان میں سالانہ 200 روپے
سالانہ بدل اشتراک بیرون ملک 40 امریکی ڈالر

رابطہ کے لیے
ماہنامہ ملیہ — جامعہ ملیہ اسلامیہ
محلہ خالصہ کالج P.O مدینہ ٹاؤن، فیصل آباد
041-8711569
0321-6611910

ناشر ۔۔۔۔۔ حبیب الرحمٰن لدھیانوی — مطبع: ظفر اینڈ فضل پرنٹنگ پریس فیصل آباد
Decl No. 3483-85

کلمۃ الحبیب

(مدیر اعلیٰ)

عدم تشدد کی راہ ہی بہتر ہے

مفتی حبیب الرحمن لدھیانوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلحَمدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِینَ اصطَفٰی

گذشتہ شمارے میں ہم نے اس پر بات ادھوری چھوڑی تھی کہ لوگوں کا سوال ہے کہ پاکستان میں مذہبی طبقہ کے ہاتھ میں ہتھیار کیوں آیا؟ جب کہ میرا نظریہ ہے کہ ہتھیار آیا نہیں بلکہ ایک سازش کے تحت دیا گیا ہے۔ اس کو سمجھنے کے لیے دو چیزیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ نمبر ایک مسئلہ کشمیر، دوسرا مسئلہ افغانستان۔ مسئلہ کشمیر تو اس وقت سے ہے جب سے پاکستان وجود میں آیا۔ کشمیر کا مسئلہ ہمارے بانیان ملک کی جلد بازی اور سیاسی بے وقوفیوں کا نتیجہ ہے۔ ہمارے ملک کے بانی نے اس پر زیادہ توجہ دی، انہیں اس سے دلچسپی نہ تھی، انہوں نے تو کہہ دیا تھا کہ مجھے لنگڑا لولا پاکستان بھی قبول ہے۔ ہندوستان کے آخری وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہندوستان اور پاکستان کا مشترکہ گورنر جنرل بننا چاہتا تھا مگر ہمارے قائد اعظم نے پاکستان کی گورنری کے لیے اپنے آپ کو پیش کر دیا، مقصد یہ تھا جن لوگوں نے پاکستان کے قیام کی تحریک چلائی تھی انہی کا نمائندہ گورنر جنرل ہونا چاہیے، جس سے لارڈ ماؤنٹ بیٹن ناراض ہوگیا۔ اس پر اس نے چالاکی کے ساتھ مسئلہ کشمیر درمیان میں لٹکا دیا تاکہ یہ دونوں ملک ساری زندگی اس پر لڑتے رہیں۔ وہ اس طرح کہ قائد اعظم کے گورنر جنرل بننے کی خواہش کے اظہار کے بعد لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ریڈ کلف کو بلوا بھیجا، (جس نے مشرقی پنجاب میں گورداسپور اور ملحقہ علاقوں کو جن میں مسلمانوں کی اکثریت تھی پاکستان میں شامل کیا تھا) اور ریڈ کلف کو حکم دیا کہ گورداسپور اور اس کے ملحقہ علاقے ہندوستان میں شامل کردے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ صرف گورداسپور کے ذریعہ ہی ہندوستان کا کشمیر سے رابطہ ممکن تھا۔ اس کا نقصان پاکستان کو زیادہ ہوا۔ اس مسئلہ کو تفصیل کے ساتھ پاکستان کے ایٹمی سائنسدان ڈاکٹر عبدالقدیر نے روزنامہ جنگ میں مورخہ ۲ نومبر ۲۰۰۹ء کو اپنے ایک مضمون میں بیان کیا ہے۔ چنانچہ مسئلہ کشمیر پر ہندوستان اور پاکستان میں تین جنگیں ہوچکی ہیں مگر یہ الاؤ ابھی تک بھڑک رہا ہے اور اس کے حل کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی۔ ۱۹۷۱ء میں ایک موقع

چاہتا تھا کہ کشمیر پر فوجی حملہ کر کے اُسے اپنے ساتھ ملا لیا جاتا مگر ہمارے گورنر جنرل قائد اعظم نے جب اپنی فوج کے کمانڈر انچیف کو کشمیر پر حملہ کرنے کا حکم دیا تو اُس
نے انکار کر دیا۔ ہمارا سپہ سالار اس وقت جنرل ڈگلس گریسی تھا جو کہ انگریز تھا اور انگریز شاہ برطانیہ کا براہ
راست وفادار تھا وہ کس طرح ہمارے گورنر جنرل کا حکم مانتا۔ یہ تھا لولا لنگڑا پاکستان لینے کا فائدہ۔

اسی طرح ہمارے پہلے گورنر جنرل بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح نے بھی تاج برطانیہ کی وفاداری کا حلف اٹھایا ہوا تھا۔ اس حلف کا اردو ترجمہ محمد اسلم لودھی نے اپنی کتاب "پاکستان کے سربراہانِ مملکت" میں صفحہ نمبر ۸۰ پر درج کیا ہے، وہ اس طرح ہے۔

"میں محمد علی جناح قانون کے مطابق قائم ہونے والے پاکستان کے دستور حکومت سے سچی عقیدت اور وفاداری کا عہد صمیم کرتا ہوں اور عہد کرتا ہوں کہ میں پاکستان کے گورنر جنرل کی حیثیت سے شہنشاہ معظم جارج ششم اور ان کے ولی عہدوں اور جانشینوں کا وفادار رہوں گا"

ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے بڑے بھول پن سے مسٹر جناح کے گورنر بننے کا ان الفاظ میں دفاع کیا ہے کہ اگر قائد اعظم گورنر جنرل نہ بنتے تو لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہندو پاک کے مشترکہ گورنر جنرل ہونے کی وجہ سے قائد کی وفات کے بعد پاکستان کو دوبارہ ہندوستان کے ساتھ ملا دیتے۔ یہ کیسی بھونڈی بات ڈاکٹر عبدالقدیر نے لکھی ہے۔ جبکہ حلف نامے کی عبارت کے مطابق ہمارے گورنر جنرل قائد اعظم محمد علی جناح دستوری طور پر تاج برطانیہ کے وفادار تھے، تو پھر وہ کس طرح اپنے اس حلف سے غداری کر سکتے تھے۔ اگر قائد اعظم صاحب تاج برطانیہ کی وفاداری پر پورا نہ اترتے تو انہیں گورنری سے ہٹا دیا جاتا۔

پاکستان یا ہندوستان کے گورنر جنرل کی کیا حیثیت تھی یہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ قدرت اللہ شہاب مرحوم لکھتے ہیں۔

قائد اعظم نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو دعوت دی کہ وہ پنڈت جواہر لال نہرو مہاراجہ کشمیر اور کشمیر کے وزیر اعظم کو اپنے ہمراہ لاہور لائیں تاکہ ۲۹ راکتوبر کو ایک میٹنگ میں بالمشافہ گفت وشنید کے ذریعہ اس سنگین صورت حال کا حل تلاش کیا جائے۔ دعوت تو منظور کر لی گئی لیکن مقررہ تاریخ پر پنڈت جی مصلحتاً بیمار پڑ گئے۔ اس کے بعد لارڈ ماؤنٹ بیٹن یکم نومبر کو اکیلے ہی لاہور تشریف لائے۔ قائد اعظم نے ان کے سامنے کئی معقول مصالحتی تجاویز پیش کیں۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن ٹال مٹول کر کے دامن بچاتے رہے

کہ وہ محض آئینی گورنر جنرل ہیں۔ دہلی واپس جا کر وہ یہ تجاویز بھارتی حکومت کے سامنے رکھیں گے۔ (شہاب نامہ صفحہ ۳۰۰)

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے یہ الفاظ کہہ کر مسٹر جناح کو پاکستان کے گورنر جنرل کی حیثیت واضح کر دی۔ اس سے پہلے پاکستان کے آرمی چیف مسٹر ڈگلس گریسی نے گورنر جنرل کا حکم نہ مان کر حیثیت بتا دی تھی۔

کشمیر کا مسئلہ حل کرنے کا ایک اور موقعہ بھی ہاتھ آیا تھا۔ ہمارے بزرگوں کو کہنا ہے کہ ۱۹۴۷ء میں کشمیری لیڈر شیخ عبداللہ اور غلام عباس صاحب اور فقد رکھا ساگر پاکستان آئے تھے۔ غلام عباس صاحب تو کراچی تشریف لے گئے مگر شیخ عبداللہ لاہور میں انارکلی بازار کے "دہلی مسلم ہوٹل" میں ٹھہرے۔ اس ہوٹل کے منیجر چوہدری محمد شریف کشمیری تھے۔ ان کے بقول شیخ عبداللہ نے اس وقت کے مسلم لیگی لیڈروں سے کہا کہ میرے ساتھ کشمیر کے متعلق بات کرو، میں تمہیں کشمیر لے دوں گا، غلام عباس کے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے۔ مگر اس وقت کے مسلم لیگیوں کی امیدوں کا مرکز غلام عباس تھے اس لیے شیخ عبداللہ کی بات کی طرف توجہ نہ دی گئی۔ کچھ لوگوں نے کہا (جن میں نواب ممدوٹ اور میاں ممتاز احمد دولتانہ شامل تھے) کہ آپ اس سلسلہ میں قائداعظم سے ملنے کراچی جائیں، اس پر شیخ عبداللہ نے کہا کہ میں اپنی کشمیری قوم کا قائداعظم ہوں، کشمیر تمہاری ضرورت ہے اس لیے میرے ساتھ لاہور میں ہی بات چیت کی جائے۔ مگر کسی نے توجہ نہ دی، اس پر شیخ عبداللہ چند دن رہ کر واپس سری نگر چلے گئے اور ہندوستان کا ساتھ دینے کا اعلان کر دیا۔ شیخ عبداللہ کو کشمیر کا وزیر اعلیٰ بنا دیا گیا، اور جب ریڈیو پر شیخ عبداللہ کا نام لیا جاتا تو اس کے ساتھ قائداعظم اور وزیر اعلیٰ کشمیر کہا جاتا۔

ڈاکٹر عبدالقدیر نے اپنے ایک کالم میں ذکر کیا ہے۔ کہ ہندوستان کے نائب وزیر اعظم اور وزیر داخلہ سردار ولبھ بھائی پٹیل نے کشمیر اور حیدرآباد کے تنازع کے حل کے لئے پیشکش کی تھی کہ پاکستان ریاست حیدرآباد سے دست بردار ہو جائے ہم کشمیر سے دست بردار ہو جاتے ہیں۔ جس پر ہمارے گورنر جنرل غلام محمد نے کہا کہ کشمیر تو ہمارا ہی ہے ہم حیدرآباد سے دستبردار کیوں ہو جائیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ندعدا ہی ملا نہ وصال صنم۔

دوسرا مسئلہ ہمارے لیے افغانستان کا ہے۔ افغانستان ایسے مقام پر ہے جس کی وجہ سے ہمارا ملک اس کی ہر تبدیلی سے متاثر ہوتا ہے۔ تقسیم ہند سے قبل ہندوستان کی سرحدیں افغانستان کے ذریعہ روس سے ملتی تھیں۔ مگر جب پاکستان بنا دیا گیا تو ہندوستان کا سرحدی رابطہ روس سے ختم ہو

گیا۔ ہندوستان میں برسر اقتدار کانگریس اس وقت سوشلسٹ خیالات رکھتی تھی۔ اسی لیے امریکہ نے پاکستان بنانے میں دلچسپی لی۔ تا کہ ہندوستان اور روس مل کر بڑا بلاک نہ بن جائیں، اور جنوبی ایشیا کے بحری راستوں کو امریکہ کے لیے بند نہ کر دیں۔ اس کے متعلق گذشتہ کی شماروں میں تفصیلاً لکھا جا چکا ہے۔ دوہرانا وقت کا ضیاع ہے۔ مختصر یہ کہ ۱۹۷۹ء میں جب روسی فوجیں افغانستان میں داخل ہوئیں تو وہاں کے مجاہدین نے روسی فوجوں سے مزاحمت کی۔ امریکہ اس وقت تک ان مجاہدین کی مدد کو نہ آیا جب تک کہ یہ نہ دیکھ لیا کہ ان کا حوصلہ کتنا بلند ہے۔ امریکہ اس سے پہلے کئی ملکوں خصوصا ویت نام میں اپنی فوجوں کا حشر دیکھ چکا تھا۔ لہذا امریکہ نے اپنی فوج بھیجنے کی بجائے انہی مجاہدین کی ہر طرح سے پشت پناہی کی۔ اور اپنی افرادی فوجی قوت بچائی۔ سوویت یونین ٹوٹ گیا امریکہ افغانستان کو مجاہدین کے حوالے کر کے واپس چلا گیا۔ یہ مجاہدین آپس میں دست و گریبان ہوئے تو طالبان نامی تنظیم نے افغانستان اقتدار پر آ گئی۔ طالبان کے اقتدار پر آنے کے بعد مجاہدین نے ابھی سکھ کا سانس بھی نہیں لیا تھا کہ انہیں پھر ہماری ملکی ایجنسیوں نے ہندوستان کے ساتھ آمادہ بجنگ کر دیا گیا۔ کشمیر میں جہاد کے نام پر ان کو پھر تیار کیا گیا۔ اور سوچا گیا کہ بنے بنائے مجاہدین ہاتھ آئے ہوئے ہیں کیوں نہ ان ہی کے ذریعہ کشمیر کاز کے لیے بہتی گنگا میں ہاتھ دھو لیے جائیں۔ پہلے تو امریکہ نے اپنی افرادی فوجی قوت بچائی تھی، اب پاکستانی ایجنسیوں نے اپنی افرادی فوجی قوت بچانے کے لیے انہی مجاہدین کو کشمیر کے محاذ پر جھونک دیا۔ تا کہ ہینگ لگے نہ پھٹکڑی اور کام بھی ہو جائے۔ اور وہ مسئلہ کشمیر جو کہ افغان جنگ کی وجہ سے کچھ دب گیا تھا اس کو ابھارا جائے۔

قسمت کی بات کہ ہندوستان نے آزاد ہونے کے بعد باقاعدہ آزاد ہونے کا ثبوت دیا۔ اس نے ہر فیصلہ خود کیا اور اپنے مفاد کو مدنظر رکھ کر کیا۔ جبکہ ہم لوگ آزاد نہیں ہو سکے۔ ہمارے ملک کے تمام فیصلے غلامان امریکہ و یورپ حاکم کرنے لگے۔ ہم لوگ غلام ابن غلام کے کنٹرول میں ہی رہے۔ ہوتا یہ رہا کہ ملک پر ملک کے مخلص قربان ہوتے رہے اور یہ غلام حاکم یورپ و امریکہ کی سیر و سیاحت کرتے رہے۔

اس بات میں کسی بھی قسم کا کوئی شبہ نہیں کہ پاکستان کی دفاعی جنگ ہمیشہ سے مذہبی ذہن رکھنے والوں نے ہی کی ہے۔ دوسری بات یہ کہ دینی ذہن رکھنے والوں نے ہی عوام الناس میں جہاد کا جذبہ پیدا کر کے ملک کا دفاع مضبوط کیا۔ اس کے اندر مذہبی رہنما پیش پیش رہے۔ جنگ ۱۹۶۵ء کی ہو یا ۱۹۷۱ء کی ہو۔ اس کے لیے اس وقت کے علماء نے شہر شہر جا کر جہاد کے نام سے کانفرنسیں کیں۔ اور

لوگوں میں ایسا جذبہ جہاد بیدار کیا کہ پوری قوم دشمن کے مقابلے میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئی۔ اسی چیز کو جہاد افغانستان میں استعمال کیا گیا۔ یعنی مذہبی قیادت کو اس پر ابھارا گیا کہ وہ نہ صرف افغان جہاد کا پرچار کرے بلکہ اس کے لیے افرادی قوت بھی مہیا کرے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ جنگ کے لیے فوج کی بجائے سول افراد کو تربیت دے کر محاذ کا ایندھن بنایا گیا۔ جس میں سب سے بڑا کردار دینی مدارس کے طلباء کا تھا۔ دینی مدارس کے ذمہ داروں کو حکمرانوں نے ملکی بقاء اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے احیاء کا لارا دیکر اس بات پر آمادہ کیا کہ اس افغان جنگ میں وہ بھرپور کردار ادا کریں۔ اور اس آڑ میں کئی دینی جماعتوں اور مدارس کے ذمہ داروں کی مٹھیاں بھی گرم کی جاتی رہیں۔ ان کی اولادوں کو امریکہ اور یورپ کے ویزے دیکر ان ملکوں میں بھیجا جاتا رہا۔ جو کہ وہاں کے سادہ لوح مسلم عوام سے جہاد کے نام پر چندہ اکٹھا کر کے لاتے۔ چونکہ افغان جنگ میں ابتداء بھی وہاں کے علماء اور دینی مدارس کے ذریعے سے ہوئی تھی اس بات نے بھی جلتی پر تیل کا کام کیا اور کشمیر کے مسئلہ میں وہ کام شروع کر دیا گیا جو کہ جہاد افغان میں کیا گیا تھا۔

میں نے اپنا نقطہ نظر کئی دفعہ ان تنظیمات اور مدارس کے ذمہ داروں کے سامنے پیش کیا کہ لوگ اپنے بچوں کو آپ کی تنظیموں یا مدارس میں مرنے کے لیے نہیں بھیجتے بلکہ پڑھنے کے لیے بھیجتے ہیں۔ اگر کشمیر کا حل واقعی جہاد ہے تو ہماری فوج سرحدوں پر جا کر لڑے۔ مگر ان حضرات پر کوئی اثر نہ ہوا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہر طرف لشکری لشکر نظر آ رہے ہیں۔ جب ہماری ایجنسیوں نے ان مجاہدین کو ہر مسئلے کا حل بندوق ہی بتایا تھا تو اب وہ ہر معاملے میں بندوق ہی کو استعمال کرنے کے عادی ہو چکے ہیں۔

اب ہمارے ملک کے حاکموں کی پالیسی بدل چکی ہے کیونکہ ہمارے غیر ملکی آقا کا یہی حکم ہے۔ اب ہندوستان ہمارے غیر ملکی آقا کے حکم کے مطابق ہمارا دوست ہے اور ہمارے دشمن اب وہ لوگ ہیں جو کشمیر میں دخل اندازی کرتے ہیں یا افغانستان میں غیر ملکی فوجوں کی موجودگی کو برا سمجھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔

عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ کیا ہم لوگ بحیثیت قوم ایک دوسرے کو مارنے پر ہی رہیں گے؟۔ غیر نے بڑی چالاکی کے ساتھ ہمیں الجھا دیا ہے۔ ہمارے اوپر وہ حکمران مسلط کیے ہیں جن کا اوڑھنا بچھونا غیر کے رحم و کرم پر ہے۔ ایسی حالت میں اپنی ہی فوج اور سیکورٹی ایجنسیوں کے خلاف ہتھیار اٹھانا کہیں کی دانشمندی نہیں۔ نیز ان کے ساتھ بے گناہ لوگ بھی مر رہے ہیں۔ ہم فوج کی

ناشیوں کے وکیل نہیں بننا چاہئے۔ یہ ٹھیک ہے کہ فوج کو ہمیشہ غلط استعمال کیا گیا ہے۔ کوئی بھی حاکم ہو چاہے وہ سول ہو یا فوجی۔ سب نے فوج کا استعمال غلط کیا ہے۔ بھٹو اس ملک کا مقبول ترین لیڈر تھا۔ اس نے سول حکمران ہونے کے باوجود فوج کو بلوچستان میں کھلے دل سے استعمال کیا۔ جس کا خمیازہ ہماری قوم آج تک بھگت رہی ہے۔ نواز شریف نے بھی اپنے دور حکومت میں فوجی عدالتوں کے قیام کا اعلان کیا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ اس وقت کے سپریم کورٹ نے اس کو غیر قانونی قرار دے دیا تھا۔

میری ان تمام گذارشات کا مطلب یہ نہیں کہ سب لوگ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر گھروں میں گھس جائیں۔ اور پاکستان میں غیر اسلامی قوانین کے لیے راہ ہموار کر دیں۔ حق بات کہنا ہی کو چھوڑ دیں۔ نہیں بلکہ حق بات کو مزید بلند آواز میں دنیا تک پہنچائیں۔ ظلم کے خلاف تحریک چلائیں۔ مگر ہتھیار نہ اٹھائیں۔ آپ جلسے اور جلوس کے ذریعے اپنی تحریک کو جاری رکھ سکتے ہیں۔ ہڑتال کی کال دے سکتے ہیں۔ لوگوں کے ضمیر کو جھنجوڑ سکتے ہیں۔ اس وقت ملک میں اسلامی شعائر کو مسخ کیا جا رہا ہے ان کے سامنے بند باندھنا ضروری ہے۔ اس وقت عالمی گماشتے ہمارے آئین کو مسخ کر کے اس سے اسلامی شقیں نکالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ توہین رسالت کا قانون اور قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی شق ان کا ہدف ہے۔ اس کام کے لیے انہوں نے میڈیا کا استعمال شروع کیا ہوا ہے۔ دینی اقدار کے حامی لوگوں کا کام ہے کہ وہ سٹریٹ پاور کو منظم کریں۔ عوامی رابطہ مہم بڑھائیں۔ ایجنسیوں کے پیچھے بھاگنا بند کریں۔ آج تک ملک کی حفاظت کے نام پر مذہبی اقدار کے حامل لوگوں کو ایجنسیوں نے مروانے کا کام ہی کیا ہے۔ اپنے آپ کو ان سے دور رکھیں۔ مذہبی لوگوں اور اداروں نے روس کی چنگل میں جانے سے اس ملک کو بچایا اس کا صلہ کیا ملا؟ یہی کہ یہ لوگ دہشت گرد ہیں، انتہا پسند ہیں۔ اب ہمیں بھی ملک کی اس قسم کی حفاظت کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جانا چاہیے جس کا نتیجہ وہ نکلے جو کہ آج ہمارے سامنے ہے۔ ملک کی حفاظت اب وہ لوگ کریں جو اس ملک پر ہمارے خون پسینے کی کمائی سے حکومت کے مزے لوٹ رہے ہیں اور ملک کے کھربوں روپے بیرون ملک اپنے اکاؤنٹ میں منتقل کر چکے ہیں۔ اب جنگوں میں ان لوگوں کو آگے کیا جائے جو کہ دن رات اس ملک کی جوانی کو لوٹ رہے ہیں۔ وہ فوج اس ملک کی حفاظت کی ذمہ داری سنبھالے جو لال مسجد میں یتیم و لاوارث بچیوں کو کلسٹر بموں سے جھلسانے میں فخر محسوس کر رہی ہے۔ کشمیر کا حاصل کرنا ان لوگوں کی ذمہ داری ہے جنہوں نے اس کو ہندو کی غلامی سے آزاد کرانے کے بعد پھر لوگوں پر ظلم کا قانون نافذ کرنا ہے۔ کشمیر میں وہی کچھ ہوگا جو کچھ ہمارے ملک میں آزادی کے بعد اب تک ہوتا چلا آ رہا ہے۔

فوج اور سیکورٹی ایجنسیوں پر ہتھیار اٹھانے والو! اب بس کرو، یہ تمہاری ذمہ داری نہیں قرآن نے واضح الفاظ میں کہا ہے "لَسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ" "آپ کو ان پر ذمہ دار مقرر نہیں کیا گیا" تمہارا کام صرف اور صرف زبان سے ان کو روکنا ہے۔ ہتھیار اٹھانا تمہارے فرائض میں شامل نہیں۔ اس ملک کی بقاء کی تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں، اس کو چلانے والے اس کے ذمہ دار ہیں، اس میں امریکہ آتا ہے یا روس یا چین، اس سے تمہیں غرض نہیں۔ روس کا راستہ روک کر امریکہ کو راستہ دے کر دیکھ لیا۔ یہاں پر وہی کچھ ہوگا جو امریکہ چاہے گا۔ میں یہاں پر بانی احرار، رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی مرحوم کے ایک خطبہ کا ایک اقتباس پیش کرکے اپنی تحریر کو ختم کرتا ہوں۔ انہوں نے ۲۳ مارچ ۱۹۴۷ء کو تقریر کرتے ہوئے کہا تھا:

انگریز ہندوستان سے جا رہا ہے مگر اس طور پر کہ ہندوستان کو ٹکڑے اور مسلمان قوم کو تقسیم کر کے، تمہیں معلوم ہے کیوں؟ میں تم کو بتاتا ہوں۔ تاریخ اٹھا کر دیکھو، ہندوستان کی آزادی کی تحریک میں مسلمان قوم کا سب سے زیادہ حصہ ہے۔ سب سے زیادہ مشکلات مسلمان قوم نے اٹھائیں۔ سب سے زیادہ مار مسلمانوں نے کھائی۔ سب سے زیادہ نقصان مسلمان قوم کا ہوا۔ وہ اس لئے کہ انگریز نے مسلمان قوم سے اقتدار چھینا تھا۔ قدرتی طور پر شدید ردعمل مسلمان قوم ہی کی طرف سے ہوا۔ ہندو تو ایک ہزار سال سے مسلمانوں کا محکوم تھا۔ اگر وہ مسلمانوں کی حکمرانی سے نکل کر انگریز کی حکمرانی میں آ گیا تھا تو اس پر اس کا کوئی اثر نہیں تھا۔ محکوموں پر حاکم بدل جانے سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔ البتہ حاکم قومیں غلامی برداشت نہیں کر سکتیں۔ مسلمان ہندوستان میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے تھے۔ انگریز کو یہ ڈر ہے کہ مسلمان بحیثیت قوم کہیں پھر سے مجتمع ہو کر قوت نہ پکڑ لیں۔ اس لئے مسلمان کو تین جگہ پر تقسیم کیا جا رہا ہے۔

دوسری بات یہ ذہن میں رہے کہ پاکستان انگریز کی چنگل سے نکل کر امریکہ کی چنگل میں چلا جائے گا۔ اس کے فیصلے امریکہ میں ہوا کریں گے۔ پاکستان انگریز اور امریکہ کی ضرورت ہے۔ ہندوستان کی سرحدیں افغانستان کے ساتھ روس سے ملتی ہیں۔ روس میں سوشلسٹوں کی حکمرانی ہے۔ نیز روس بذات خود ایک عالمی طاقت کی شکل میں ابھر رہا ہے۔ کانگریس میں جواہر لال نہرو سمیت کئی لیڈر سوشلسٹ نظریات رکھتے ہیں۔ امریکہ کو خطرہ تھا

کہ اگر ہندوستان کو اسی حالت میں چھوڑ دیا گیا تو ہندوستان کی سوشلسٹ حکومت روس کے ساتھ مل کر ایک زبردست بلاک بنالے گی۔ جس کی وجہ سے ایشیا میں امریکہ کا ناطقہ بند ہو سکتا ہے۔ اس لئے ضروری تھا کہ ہندوستان اور روس کے درمیان ایک ایسی ریاست قائم کر دی جائے کہ جس کی وجہ سے یہ دونوں ملک آپس میں مل کر کوئی مضبوط محاذ نہ بنا سکیں ۔پاکستان کی ضرورت صرف اتنی سی ہے۔ جب تک پاکستان امریکہ کی یہ ضرورت پوری کرتا رہے گا قائم رہے گا۔پاکستان کی بقاء کا مدار مادی طور پر صرف امریکہ کی خوشنودی پر ہے۔ پاکستان کے لوگ امریکہ کی مخالفت میں اتنا آگے نہ جائیں کہ پھر واپسی ناممکن ہو جائے۔یاد رکھو پاکستان برصغیر کے مسلمانوں کی آخری پناہ گاہ ہے۔ اگر اس پناہ گاہ کو کچھ ہوا تو برصغیر کے مسلمانوں کو کہیں پناہ نہیں ملے گی۔

یہ اس شخص کے خیالات اور خدشے ہیں جس نے پوری زندگی برصغیر کی آزادی کے لیے وقف کر دی تھی ، اور اس جرم میں تقریباً تیرہ سال چھ ماہ جیل کی کال کوٹھریوں میں گذار دی۔ جس کے خاندان نے نہ صرف ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بھرپور شرکت کی بلکہ فتوی فرضیت جہاد بھی دیا۔ جس نے بذات خود برصغیر میں اپنی سیاسی قیادت کا لوہا منوایا۔

آج ہمارا ملک ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد کا نقشہ پیش کر رہا ہے، آج پھر ضرورت ہے اسی ضبط وتحمل کی جو کہ ان پاکباز ہستیوں نے ایسے وقت میں اپنایا۔ آج ہمیں منتشر ہونے کی بجائے متحد ہونے کی ضرورت ہے۔ آج ہمیں پھر سے خانقاہوں کو حق ہو کے نعروں سے آباد کرنا ہوگا، دینی مدارس کا متحد ہو کر دفاع کرنا ہوگا۔ آج مساجد کے ذریعہ اتحاد و اتفاق کی صدائیں بلند کرنی ہو گی۔ مسلمانوں کے ایمان کو بچانا ہوگا۔ سیاست میں تدبر اور معاملہ فہمی کو اپنانا پڑے گا۔ پھونک پھونک کر قدم رکھنا ہوگا۔ غیر ایک نئے انداز سے ساز وسامان سے لیس ہو کر حملہ آور ہے۔ ہماری مذہبی شناخت ختم کرنے درپے ہے۔ اس لیے ہوش کرو اور ہتھیار پھینک کر حوصلہ اور عقلمندی سے آگے بڑھو۔

نوٹ: میری یہ تمام گذارشات پاکستان کے لوگوں کے لیے ہیں، دوسرے ممالک کے لوگ اپنے ملک کے حالات کے مطابق اپنی راہ متعین کر سکتے ہیں۔

مکاتیب رئیس الاحرارؒ سے

شیخ التفسیر اور رئیس الاحرار میں مکاتبت

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ ایک تاریخ ساز علمی، روحانی اور سیاسی شخصیت تھے۔ انہوں نے انگریز سامراج کے خلاف ہر تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ رئیس الاحرارؒ کی زیرِ صدارت جب مجلس احرار اسلام نے کام شروع کیا تو حضرت شیخ التفسیرؒ مجلس احرار پنجاب کے سرپرست مقرر ہوئے۔ ہر مشکل میں ساتھ دیا۔ رئیس الاحرارؒ سے ان کا بڑا قریبی تعلق تھا۔ جو کہ ان کے اس خط سے ظاہر ہے۔ ان حضرات کی ذاتی قسم کی خط و کتابت میں بھی امت مسلمہ کی اصلاح نظر آتی ہے۔

مکتوب از حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ لاہور

مخدومی و مکرمی حضرت مولانا حبیب الرحمٰن دامت برکاتہم

از احقر الانام احمد علی عفی عنہ۔ السلام علیکم:

آج مورخہ ۲۴؍ جولائی ۱۹۳۷ء کی ڈاک میں جو کہ بعد نماز ظہر وصول ہوئی، والا نامہ نے شرف فرمایا۔ پہلے بھی آپ کی جدائی سے قلب بے حد حزیں اور آپ کے مصائب کے تخیل سے دل مجروح تھا۔ بالیہ محترمہ اور صاحبزادی کے انتقال کی اطلاع سے طبیعت میں ایک طرح کا قلق اور اضطراب پیدا ہوا ہے۔ اس لئے کہ محبوب کے صدمہ سے محب کا قلب مجروح ہوتا ہی ہے۔ آپ کی ان تکالیف کا نقشہ سامنے آ گیا۔ دل بے اختیار رونے کو چاہتا ہے۔ ان الفاظ کو لکھ رہا ہوں اور آنکھوں میں آنسو آئے ہوئے ہیں۔ میرے پاس ایک آدمی بیٹھا ہوا ہے۔ اس لئے ضبط کئے بیٹھا ہوں ورنہ دل چاہتا ہے کہ بیٹھ کر رووں، تاکہ دل کی بھڑاس نکل جائے، اور قلب میں کچھ سکون ہو۔ ملکی حالات اس قدر خراب ہو چکے ہیں کہ ہمارا آپس میں ملنا بھی سیاسین دورِ حاضر کی نگاہ میں مخدوش ہے۔ خدا کرے کہ ہم بچھڑے ہوؤں کو ملاقات نصیب ہو۔ اور دلوں کے دکھ درد ایک دوسرے کو سنائیں۔

اللہ تعالیٰ دونوں ماں بیٹی کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ ان کی قبور کو روضۃ من

اُسے اپنی رحمت بنائے۔ اور قیامت کے دن جنت کا وارث اور آپ کو مع جمیع پسماندگان کے صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ سنا ہے کہ میری ڈاک سنسر ہوتی ہے۔

حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب مولانا محمد میاں صاحب مولانا وحید صاحب قاسمی سے سلام مسنون عرض کر دیں۔ ۲۳ جولائی ۱۹۳۸ء۔

رئیس الاحرار بنام شیخ التفسیر

۲۰ رمضان المبارک دہلی

محترم و مکرم حضرت مولانا زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ: آپ کا محبت اور اخلاص اور درد سے بھرا ہوا محبت نامہ ۲۶ جولائی کو ملا۔ جس شخص کے لئے آپ جیسا دل اور آپ کی آنکھیں روئیں اسے کسی بات کا غم نہیں کرنا چاہئے۔ میرا یقین اور ایمان ہے کہ ایک دردمند دل کی دعا ہر قسم کے مصائب کو راحتوں سے بدل دیتی ہے۔ لڑکی اور بیوی مرحومہ کے انتقال کا صدمہ بیشک بڑا صدمہ ہے مگر مرنا ہم سب نے ہے۔ کوئی دو دن آگے کوئی دو دن پیچھے۔ مگر ان صدمات کے معاوضہ میں جو دعائیں مجھ کو ملی ہیں، اور میرے گھر والوں کو، وہ سب سے بڑی نعمت ہے۔

بس میری اتنی ہی درخواست ہے کہ کسی وقت علیحدگی میں رو کر میرے اور میرے گھر والوں کیلئے دعا فرما دیں۔ کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اخلاص اور ایمان اور عمل صالح کے ساتھ زندہ رکھے اور سب کو تندرستی عنایت فرمائے۔ رزق میں کسی کا محتاج نہ کرے اور ان سے بچنے کی جگہ نصیب ہو اور موت ایمان اور اخلاص پر نصیب ہو۔

ہم اور آپ جب چاہیں مل سکتے ہیں، کوئی خطرہ نہیں۔ آپ جب چاہیں یہاں تشریف لے آویں۔ اگر آپ کو عارضی پرمٹ کی ضرورت ہو وہاں سے بندوبست کر لیں ورنہ میں یہاں سے بندوبست کر سکتا ہوں۔ ایک ایسے آدمی کو جس کا مقصد دین اسلام کی خدمت ہو، اور سیاسی انجمنوں سے علیحدہ رہا ہو، اسے کبھی بھی کوئی خطرہ نہیں ہے۔ آپ رمضان شریف کے بعد ضرور آئیے ضرور

تشریف لائیے، مجھے بہت خوشی ہوگی۔

بعض لوگ غیر مسلموں کیلئے بد دعا کرتے ہیں اور مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے یہ راستہ صحیح نہیں۔ ہمیں روز و کران کی اصلاح حال کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے۔ حضور علیہ السلام نے سوائے جنگ خندق کے ہر حال میں اپنے مخالفین اور قاتلوں کیلئے ہدایت کی دعا فرمائی۔ اُحد میں جب کچھ الفاظ بد دعا کے نکلے تو وحی الٰہی نے روک دیا۔ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ کہہ کر بد دعا کرنے کو بند کر دیا۔

رائے پوری درویش دامت برکاتہم سے کسی نے سوال کیا کہ اسلام اور مسلمان اب کیسے زندہ رہ سکتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ مکی زندگی اختیار کرو کہ مکہ میں جس طرح مسلمانوں نے سچائی تقویٰ پرہیز گاری، دیانت، خدا پرستی کا عملیہ اعلان کر کے اپنے عزیزوں، رشتہ داروں، دوستوں اور ہموطنوں سے صرف ماری نہیں کھائی، بلکہ بعض ان میں سے قتل بھی ہوئے۔

مگر نبی علیہ السلام سے لے کر کسی مسلمان نے اپنے ان مخالفین کیلئے بد دعا نہیں کی۔ لڑنا تو درکنار انتقام کا جذبہ بھی پیدا نہیں ہوا۔ وہ سچائی پر رہے کسی حالت میں اُسے ترک نہیں کیا۔ اور جو سچائی سے انہیں ہٹانا چاہتے تھے، ہر حال میں ان کے لئے ہدایت کی دعا کی۔ اگر مجھے غلط یاد نہیں تو ایسا ایک روایت میں ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ جو بہت مصیبت زدہ تھے، حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ اہل مکہ کیلئے آپ بد دعا فرمائیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا خدا تعالیٰ نے مجھے رحمت بنا کر بھیجا ہے، بد دعا کرنے کیلئے نہیں بھیجا۔ اور اسی وقت فرمایا کہ اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے، یہ نہیں جانتے میں کیا کہتا ہوں۔ اس قسم کی باتیں کتنا گستاخی ہے، صرف اپنی اصلاح خیال کے لئے سب کچھ لکھا ہے۔

بعض اخبار میں یہ شور برپا ہے کہ پاکستان میں اسلامی نظام حکومت ہونا چاہیے۔ یہ بہت اچھی بات ہے اگر ہو جائے، مگر غیر اسلامی دنیا اسلامی قانون کا معنی وہی سمجھتی ہے جو ہمارا انفرادی اور اجتماعی طرز عمل ہے۔ پاکستان بنانے والے لوگ وہ ہیں جو کہ اسلام کا مطلب مرنے سے جانتے تک نہیں۔ اگر کچھ علماء نے ان کا ساتھ دیا تھا تو وہ صرف ان کی للہیت تھی، کہ چلو اس بہانے مسلمانوں کو

ایک مملکت مل جائے گی۔ تقسیم ہند کے وقت مجھ سے کئی لوگوں نے پوچھا تھا کہ ہندوستان میں مسلمانوں نے حاکم کی حیثیت سے وقت گذارا ہے، اور جب ان سے حکومت چھینی گئی تو مسلمانوں نے ہی سب سے زیادہ قربانی دیکر ہندوستان سے غیر ملکی حکمرانوں کو نکالا ہے۔ اب ہندوستان میں محکوم مسلمانوں کا مستقبل کیا ہے اور پاکستان میں حاکم مسلمان کیا کریں گے۔؟ میں نے کہا تھا اور اب بھی میں کہتا ہوں کہ "تقسیم ہند کے بعد ہندوستان میں مسلمان ذبح کیا جائے گا اور پاکستان میں اسلام ذبح کیا جائے گا"۔ پاکستان میں اب جو کچھ ہوگا وہ تو پاکستان بنانے والے اور اس میں رہنے والے ہی زیادہ جانتے ہیں اور اپنے حالات کے مطابق فیصلے کر سکتے ہیں مگر ہندوستان کے مسلمانوں کو غیر مسلموں کے تشدد سے بچانے کا ایک ہی راستہ ہے کہ پاکستان کی حکومت، مسلمان عوام اور علماء یہ اعلان کریں کہ جو غیر مسلم پاکستان سے نکالے گئے ہیں، ان کو واپس یہاں بلایا جائیگا اور ان کے مال، جان، آبرو کا جو نقصان ہوا سب ادا کیا جائیگا۔ اور جو تکلیف ان کو مسلمانوں کی طرف پہنچی ہے اس کی معافی مانگی جائے گی۔ یہ صحیح ہے کہ غیر مسلموں نے تقسیم ہند کے وقت جو مسلمانوں پر ظلم کیا ہے مسلمانوں کی طرف سے اس کا ردعمل بہت کم ہوا ہے۔ مگر عملی طور پر مسلمان اور غیر مسلم میں فرق نظر آنا چاہیے۔ اس قسم کا اعلان مسلمانوں کی طرف سے کوئی بڑی بات نہیں ہے، بلکہ مسلمانوں نے اسلام کے قانون کے مطابق بدترین زمانے میں بھی غیر مسلموں کی آبرو، ان کی جان، ان کے مال، ان کے مذہب کا اس سے کہیں زیادہ تحفظ کیا ہے۔ قانون اسلام اس بارے میں بالکل واضح اور صاف ہے کہ باہر کے غیر مسلم کچھ بھی کریں لیکن جو غیر مسلم اسلامی حکومت میں رہتے ہیں ان سے کسی قسم کا بدلہ یا انتقام نہیں لیا جائے گا۔ بلکہ اسلامی حکومت کے اندر کوئی غیر مسلم مسجد کی توہین کرے تو اس کے بدلے میں کسی طرح ان کی عبادت گاہ کی توہین نہیں کی جا سکتی۔ آج یہودیوں سے عربوں کی جنگ ہے مگر قاہرہ مصر میں جو یہودیوں کی بستیاں آباد ہیں ان میں سے کسی کے نکسیر پھوٹنے کی خبر بھی آپ نے پڑھی ہے؟۔

خدا مولانا غلام محمد گھوٹوی مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عنایت فرمائے۔ انہوں نے بہاولپور میں جب فساد ہوا فوراً فتویٰ شائع کیا کہ کسی غیر مسلم کا مال، جان، آبرو ضائع کرنا حرام

ہے۔ دہلی کے ایک بڑے عالم سے کسی نے پوچھا تھا کہ یہ جہاد ہے یا فساد، یہ قوموں کے درمیان جنگ یعنی ہندو مسلم سکھ کے درمیان جنگ ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ جہاد نہیں فساد ہے، یہ قوموں کی آپس کی جنگ نہیں ہے۔ کیونکہ جہاں ہر قوم کے آدمیوں نے ایک دوسرے کو اپنی قوم کے ظلم سے بچایا ہے، اور ہر قوم کے آدمی اپنے بچانے والے افراد کا نام لیکر فخر کرتے ہیں کہ ہمارے آدمیوں نے فلاں قوم کے آدمیوں کو بچایا ہے۔ اسی طرح بچنے والے ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

میں نے سنا ہے کہ پاکستان میں کہا جاتا ہے کہ ہندو تو برداشت کیا جا سکتا ہے، سکھ برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ اگر یہ بات کہی جاتی ہے، تو اس سے زیادہ کوئی غلط بات نہیں۔ سینکڑوں ہزاروں سکھوں کو میں جانتا ہوں، جنہوں نے مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کو بچایا، ان کی عورتیں بچا کر دیں۔ اگر بابو بچن ایم۔ ایل۔ اے مشرقی پنجاب کا وزیر بنادیا جائے، تو آج مسلمان وہاں آباد ہو سکتے ہیں۔ بابو بچن سنگھ نے جان پر کھیل کر میری موجودگی میں مسلمانوں کو بچایا ہے۔

یہ فساد نہ مذہبی تھا نہ قومی۔ ان فسادات کے پیچھے سیاست کے گہرے اغراض تھے۔ یہ سب کچھ میں نے تفصیل سے اس لئے لکھا ہے کہ آپ جیسے علماء پاکستان میں اسلام کو ذبح ہونے سے بچائیں۔ نیز غیر مسلم دنیا کے لوگوں پہ یہ ظاہر کریں کہ اسلام امن ہے فساد نہیں ہے۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اصل مقصد تو اسلام کی عزت اور اس کی حفاظت ہے۔ اگر آپ ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں کو بچانا چاہتے ہیں اور ان کو باآبرو دیکھنا چاہتے ہیں، تو پاکستان میں رہنے والے غیر مسلموں سے ایسا سلوک کریں کہ ان کو دیکھ کر ہندوستان کا ہندو اور سکھ اپنے رویہ پر غور کرے۔

باقی ڈاک سب کی سنسر ہوتی ہے فکر نہ کریں۔ بلکہ سنسر کرنے والے گوند اس قدر لگا دیتے ہیں کہ خط لفافہ کے ساتھ چپک جاتے ہیں۔

حبیب الرحمن لدھیانوی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حج

ذیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کا بیان مختصر طور پر نقل کیا جاتا ہے:

حجۃ الوداع ۱۰ھ میں پیش آیا۔ اس کے تقریباً دو ماہ بعد مدینہ میں آپ کی وفات ہوگئی۔ ۱۰ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا ارادہ فرمایا۔ اس کے ساتھ تمام قبائل میں اہتمام کے ساتھ اطلاعات بھیج دی گئیں تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ آپ کے ساتھ شریک ہوسکیں۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کے بعد حج کی عبادت اگرچہ جاری تھی۔ مگر اس میں بہت سی جاہلی رسمیں شامل ہوگئی تھیں۔ اس لئے ضروری تھا کہ بڑی تعداد میں لوگ آپ کو حج کے اعمال کرتے ہوئے دیکھ لیں اور آئندہ اسی کے مطابق حج ادا کرتے رہیں۔ اس قسم کے اعمال ہمیشہ دیکھ کر ہی سمجھ میں آتے ہیں لفظوں میں بتانے سے سمجھ میں نہیں آتے۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آپ اپنی سواری پر تھے اور رمی جمار کر رہے تھے۔ آپ نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ لوگو! حج کے طریقے مجھ سے سیکھ لو۔ شاید اس سال کے بعد میں دوبارہ حج نہ کرسکوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر حج کی خبر اطراف ملک میں پھیلی تو لوگ آنا شروع ہوئے۔ یہاں تک کہ مدینہ میں تقریباً ایک لاکھ آدمیوں کا مجمع اکٹھا ہوگیا۔ آپ ۲۵ ذی قعدہ ۱۰ھ کو مدینہ سے روانہ ہوئے۔ راستہ میں بھی لوگ اس قافلہ میں شریک ہوتے رہے۔ آپ اس طرح مکہ کی طرف جا رہے تھے کہ آپ کے چاروں طرف آدمیوں کا ہجوم تھا۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میری نگاہ جہاں تک جاتی تھی مجھے ہر طرف انسان ہی انسان دکھائی دیتے تھے۔ مکہ پہنچ کر یہ مجمع تقریباً سوا لاکھ ہوگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس اونٹنی پر سوار تھے۔ جس کا نام قصواء تھا۔ یہ ایک غیر معمولی قسم کی تیز رفتار اونٹنی تھی۔ تاہم اس وقت اس کے اوپر جو کجاوہ بندھا ہوا تھا۔ اس کی قیمت چار درہم سے زیادہ نہ تھی۔ گویا ضرورت کی حد تک اعلیٰ معیار اور جہاں ضرورت کی حد ختم ہوجائے وہاں صرف سادگی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روانگی سے پہلے ظہر کی چار رکعتیں لوگوں کے ساتھ

پڑھیں۔ آپ نے ایک تقریر فرمائی جس میں بتایا کہ احرام باندھنے کے فرائض و آداب کیا ہیں۔ اس کے بعد آپ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ مدینہ سے پانچ میل کے فاصلہ پر ذوالحلیفہ ایک مقام ہے جو اہل مدینہ کی میقات ہے۔ یہاں پہنچ کر آپ نے رات گزاری۔ اگلے دن آپ نے غسل کیا، ظہر کی نماز دو رکعت ادا کی، اور حج و عمرہ (قران) کا احرام باندھا۔ پھر تلبیہ کہتے ہوئے روانہ ہوئے۔ "لبیک اللّٰھم لبیک لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد و النعمۃ لک والملک لا شریک لک" (حاضر ہوں، خدایا میں حاضر ہوں، حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں۔ تعریف اور نعمت تیرے ہی لیے ہے اور بادشاہی میں تیرا کوئی شریک نہیں)

اسی طرح آپ مدینہ سے مکہ کی طرف جا رہے تھے۔ راستہ میں کوئی ٹیلہ ملتا تو اس پر چڑھ کر آپ بلند آواز سے اللہ اکبر (اللہ سب سے بڑا ہے) کہتے۔ گویا کہ یہاں سے آپ سارے عالم کے سامنے اللہ کی بڑائی کا اعلان کر رہے ہوں۔

آپ ۴ ذی الحجہ کو مکہ پہنچے۔ مدینہ سے مکہ کا سفر نو دن میں طے ہوا۔ یہ سہ پہر کا وقت تھا۔ آپ چلتے ہوئے حرم میں داخل ہوئے۔ بیت اللہ پر نظر پڑی تو آپ کی زبان مبارک سے نکلا، اللّٰھم زد بیتک ھذا تشریفا وتعظیما وتکریما ومھابۃ (ترجمہ: اے اللہ تو اپنے اس گھر کے شرف اور عظمت اور بزرگی اور ہیبت میں اضافہ فرما) آپ اپنے ہاتھ کو اٹھا کر تکبیر کہتے اور فرماتے: اللّٰھم انت السلام و منک السلام حینا ربنا بالسلام (اے اللہ تو سلامتی ہے۔ تجھی سے سلامتی ہے۔ اے ہمارے رب ہم کو سلامتی کے ساتھ زندہ رکھ)

حرم میں داخل ہو کر آپ نے تحیۃ المسجد کا دوگانہ نہیں پڑھا بلکہ طواف قدوم شروع کر دیا۔ آپ حجر اسود کے پاس آئے اور بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر اس کا استلام کیا۔ پھر دائیں طرف سے چل کر سات بار اس کا طواف اس طرح کیا کہ کعبہ آپ کے بائیں طرف تھا۔ طواف کے پہلے تین شوط (پھیرے) میں آپ تیز تیز چلے جس کو رمل کہا جاتا ہے۔ باقی چار پھیروں میں آپ معمول کی چال چلے۔ آپ کے بائیں شانہ پر احرام کی چادر پڑی ہوئی تھی اور دایاں شانہ کھلا ہوا تھا۔ اس طریقہ کو اضطباع کہا جاتا ہے۔ طواف کے دوران جب آپ حجر اسود کے سامنے سے گزرتے تو اس کی طرف اشارہ کر کے اپنی چھڑی سے استلام کرتے۔

حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان یہ دعا ماثور ہے ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ و فی

الآخرۃ حسنۃ و قنا عذاب النار (اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہم کو آپ کے عذاب سے بچا) اسی طرح طواف میں آپ سے بعض اور دعائیں بھی منقول ہیں۔

طواف کعبہ سے فراغت کے بعد آپ مقام ابراہیم کے پاس آئے اور قرآن کی یہ آیت پڑھی: واتخذوا من مقام ابراہیم مصلی (البقرۃ ۱۲۵) مقام ابراہیم کے پاس کھڑے ہو کر آپ نے دو رکعت نماز ادا کی۔ اس کے بعد حجر اسود کے پاس گئے اور اس کا بوسہ لیا۔ پھر صفا کی طرف روانہ ہوئے۔ قریب آئے تو فرمایا: ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ ابدأ بما بدأ اللہ بہ (بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ میں اس سے شروع کرتا ہوں جس سے اللہ نے شروع کیا ہے)

پھر آپ صفا پر چڑھے یہاں تک کہ کعبہ دکھائی دینے لگا۔ آپ نے قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر یہ الفاظ کہے: لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد و ھو علی کل شیء قدیر۔ لا الہ الا اللہ وحدہ انجز وعدہ و نصر عبدہ و ھزم الاحزاب وحدہ (اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں۔ وہ اکیلا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لئے ساری تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں۔ وہ اکیلا ہے۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ اس نے اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تمام گروہوں کو تنہا شکست دی۔

پھر آپ صفا سے اتر کر مروہ کی طرف روانہ ہوئے۔ دونوں پہاڑیوں کے درمیان آپ نے اس طرح سعی فرمائی کی جب آپ نشیب میں (میلین اخضرین کے درمیان) پہنچے تو دوڑنے لگے۔ نشیب ختم ہوا تو آہستہ چلنے لگے۔ مروہ پہنچ کر آپ اس کے اوپر اتنا چڑھے کہ کعبہ دکھائی دینے لگا۔ یہاں بھی آپ نے تکبیر و تہلیل کی اور دعا مانگی۔ اسی طرح آپ نے صفا و مروہ کے درمیان سات پھیرے کئے۔ بعض روایات کے مطابق آپ نے ابتدائی چند پھیرے پیدل پورے کئے، اور بقیہ پھیرے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر۔ آپ نے ایسا غالباً اس لئے کیا کہ دور تک پھیلا ہوا مجمع آپ کے عمل کو بخوبی طور پر دیکھ سکے۔ آپ کا ساتواں پھیرا مروہ پر ختم ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۴ ذی الحجہ کو مکہ میں مقام ابطح میں اترے تھے۔ یہاں آپ ۸ ذی الحجہ تک (چار دن) رہے۔ اور وہیں اپنے ہمراہیوں کے ساتھ قصر کر کے نماز پڑھتے رہے۔ دن ظہر اور

عصر اور مغرب اور عشا کی نمازیں آپ نے منیٰ میں پڑھیں۔ اور رات کو وہیں قیام کیا۔ صبح ۹ ذی الحجہ کو سورج نکلنے کے بعد آپ عرفات کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ نمرہ (وادی عرنہ) کے ایک خیمہ میں اترے۔ صحابہ میں سے کوئی لبیک پکار رہا تھا اور کوئی تکبیر کہتا تھا۔ کوئی ایک دوسرے پر اعتراض نہیں کرتا تھا۔

جب زوال کا وقت آیا تو آپ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر چلے اور میدان عرفہ کے بیچ میں ٹھہرے۔ یہاں موجودہ مسجد نمرہ کی جگہ اپنی سواری پر بیٹھے ہوئے آپ نے وہ خطبہ دیا جو خطبہ حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے۔ یہ خطبہ اور دوسرا خطبہ جو آپ نے منیٰ میں دیا۔ وہ متفرق طور پر حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ ان کو مجموعہ اگلے صفحات میں نقل کیا جا رہا ہے۔

یہ جمعہ (۹ ذی الحجہ) کا دن تھا۔ جب آپ خطبہ دے چکے تو آپ نے حضرت بلال کو اذان کا حکم دیا۔ انہوں نے اذان دی۔ آپ نے ایک اذان اور دو اقامت سے ظہر اور عصر کی نماز جمع کر کے دو دو رکعت پڑھی۔ یہ جمعہ کی نماز نہیں بلکہ ظہر کی قصر نماز تھی۔ کیوں کہ آپ نے اس میں قرات بالجہر نہیں کی۔ فرض کے علاوہ اس موقع پر کوئی سنت یا نفل آپ نے نہیں پڑھی۔

نماز سے فارغ ہو کر آپ عرفات کے اس مقام پر آئے جس کو وقوف کی جگہ کہا جاتا ہے۔ یہاں آپ نے اپنے اونٹ پر بیٹھے بیٹھے سورج ڈوبنے تک دعا کی۔ آپ نے فرمایا کہ اس دن کی دعا بہترین دعا ہے۔ اس وقت آپ کس قسم کے ربانی احساسات سے بھرے ہوئے تھے اس کا اندازہ ان کلمات سے ہوتا ہے جو اس وقت آپ کی زبان مبارک سے نکل رہے تھے۔ ایک روایت کے مطابق آپ نے فرمایا:

اللّٰھم انک تسمع کلامی وتری مکانی، وتعلم سری و علانیتی، لایخفی علیک شیٔ من امری، انا البائس الفقیر، المستغیث المستجیر، الوجل المشفق المقر المعترف بذنوبی، اسألک مسئلة المسکین وابتھل الیک ابتھال المذنب الذلیل، وادعوک دعاء الخائف الضریر، من خضعت لک رقبته و فاضت لک عیناہ وذل جسدہ ورغم انفه لک اللّٰھم، لا تجعلنی بدعائک رب شقیا و کن لی رؤفا رحیما، یا خیر المسؤلین و یا خیر المعطین

''اے اللہ تو میری بات سن رہا ہے اور تو میری جگہ کو دیکھ رہا ہے۔ تو میرے چھپے اور کھلے کو جانتا ہے۔ میری کوئی بات تجھ سے چھپی ہوئی نہیں۔ میں مصیبت زدہ ہوں، محتاج ہوں، تجھ سے فریادی ہوں۔ تیری پناہ چاہتا ہوں۔ پریشان ہوں، خوف زدہ ہوں، اپنے گناہوں کا اقرار و اعتراف کر رہا ہوں۔ تجھ سے بے کس آدمی کی طرح سوال کر رہا ہوں۔ اور گنہگار اور حقیر انسان کی طرح تیرے سامنے گڑگڑا رہا ہوں۔ اور تجھ سے خوف زدہ اور آفت رسیدہ آدمی کی مانند سوال کرتا ہوں، جیسے وہ شخص جس کی گردن تیرے آگے جھکی ہوئی ہو اور اس کی آنکھیں تیرے لئے بہ پڑی ہوں، اور اس کا جسم تیرے آگے فروتنی کئے ہوئے ہو اور اپنی ناک تیرے سامنے رگڑ رہا ہو۔ اے اللہ، تو مجھے اپنے سے دعا مانگنے میں ناکام نہ رکھ اور تو میرے حق میں بڑا مہربان نہایت رحم والا بن جا۔ اے تمام مانگے جانے والوں سے بہتر اور اے سب دینے والوں سے اچھا۔''

اس اثنا میں لوگ حج کے مسائل پوچھنے آتے تھے۔ کچھ نجدیوں نے پوچھا کہ حج کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ الحج عرفة (حج عرفات میں ٹھہرنے کا نام ہے) جو شخص یوم النحر سے پہلے یہاں آجائے اس کا حج ہوگیا۔

قرآن کی آیت الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا (المائدہ ۳) یہیں عرفات میں خطبہ حجۃ الوداع کے بعد نازل ہوئی۔ سورج ڈوبنے کے بعد آپ عرفات سے مزدلفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اسامہ بن زید کو اپنے پیچھے بٹھایا۔ راستہ بھر آپ تلبیہ کرتے رہے۔ مزدلفہ پہنچنے تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ آپ نے لوگوں کو تیز چلنے سے منع فرمایا۔ آپ نے کہا: السکینۃ ایہا الناس السکینۃ ایہا الناس فان البر لیس بالا یضاع (لوگو سکون اور اطمینان کے ساتھ چلو۔ دوڑنا کوئی ثواب کی بات نہیں)

مزدلفہ میں آپ نے حضرت بلال کو اذان کا حکم دیا۔ اذان کے بعد آپ کھڑے ہوئے اور اونٹوں کو بٹھانے اور سامان اتارنے سے پہلے مغرب کی نماز ادا کی اس کے بعد جب لوگوں نے سامان اتار لیا تو آپ نے عشاء کی نماز دو رکعت ادا فرمائی۔ یہاں بھی آپ نے ایک اذان اور دو اقامت سے دونوں نمازیں ادا کیں۔ فرض کے علاوہ آپ نے کوئی اور نماز نہیں پڑھی۔ اس کے بعد آپ لیٹ گئے

اور صبح تک سوئے۔ صبح اٹھ کر فجر کی نماز آپ نے اول وقت پڑھی۔ یہ ذی الحجہ کی دس تاریخ تھی۔ پھر آپ سواری پر بیٹھے اور مشعر حرام آئے یہاں قبلہ کی طرف رخ کر کے دعا اور تضرع کرتے رہے، یہاں تک کہ پوری طرح اجالا ہو گیا۔ سورج نکلنے سے پہلے آپ مزدلفہ سے روانہ ہوئے۔ آپ برابر تلبیہ کرتے رہے۔ فضل بن عباس آپ کے پیچھے سوار تھے۔ آپ نے ان کو حکم دیا کہ رمی جمار کے لئے یہاں سے سات کنکریاں چن لیں۔

جب آپ وادی محسر میں پہنچے تو لوگوں سے کہا کہ یہاں سے تیزی سے گزر جاؤ۔ اپنی اونٹنی بھی آپ نے تیز کر دی۔ وادی محسر وہ جگہ ہے جہاں اصحاب فیل پر خدا کا عذاب نازل ہوا تھا۔ آپ چلتے رہے، یہاں تک کہ آپ منیٰ پہنچ گئے۔ پھر آپ جمرۃ العقبہ آئے۔ یہاں آپ اس طرح کھڑے ہوئے کہ مکہ آپ کے بائیں طرف تھا اور منیٰ داہنی طرف۔ آپ نے سواری پر بیٹھے ہوئے سورج نکلنے کے بعد ایک کے بعد ایک سات کنکریاں ماریں جس کو رمی کہا جاتا ہے۔ ہر کنکری کے ساتھ آپ تکبیر کہتے جاتے تھے۔ رمی جمار کے بعد آپ نے تلبیہ موقوف کیا۔ اس کے بعد آپ منیٰ واپس ہوئے۔ آپ نے دین کا خلاصہ ان لفظوں میں بیان فرمایا:

"اعبدوا ربکم وصلوا خمسکم وصوموا شھرکم واطیعوا ذا امرکم تدخلوا جنۃ ربکم۔"

اپنے رب کی عبادت کرو۔ اور پانچ وقت کی نماز پڑھو اور رمضان کے مہینہ کا روزہ رکھو اور اپنے صاحب امر کی اطاعت کرو، اور اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ۔

منیٰ میں آپ نے ایک خطبہ دیا۔ یہ اہم خطبہ عرفہ کے خطبہ سے مشابہ تھا۔ یہ تکرار غالباً اس لئے تھی کہ جس نے وہاں نہ سنا ہو وہ یہاں سن لے اور اچھی طرح یاد کر لے۔ یہاں آپ نے جن باتوں کا اعلان فرمایا ان میں سے یہ بھی تھا۔

"لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاسود علی احمر ولا لاحمر علی اسود الا بالتقویٰ (مسند احمد، عن ابی نضرۃ)۔"

کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت نہیں اور کسی عجمی کو کسی عربی پر فضیلت نہیں۔ اور کسی کالے کو کسی سرخ پر فضیلت نہیں اور کسی سرخ کو کسی کالے پر فضیلت نہیں۔ فضیلت کا مدار صرف تقویٰ پر

ہے۔

نیز آپ نے فرمایا!

الا ان الشیطان قد یئس ان یعبد فی بلدکم ھذا ابدا، ولکن ستکون لہ طاعۃ فیما تحتقرون من اعمالکم فیرضی بہ (ترمذی)

سن لو، شیطان اس سے مایوس ہو گیا ہے کہ اب تمہارے اس شہر میں قیامت تک اس کی پرستش کی جائے۔ مگر تم ایسے کاموں میں اس کی پیروی کرو گے جس کی تمہاری نظر میں اہمیت نہ ہوگی اور وہ اس سے راضی ہو جائے گا۔

اس کے بعد آپ منیٰ میں مقام نحر (قربانی کی جگہ) پر گئے۔ یہاں آپ نے ۶۳ اونٹ اپنے ہاتھ سے ذبح کئے۔ آپ کی عمر بھی ۶۳ سال ہوئی۔ اس کے بعد آپ رکے اور حضرت علیؓ سے کہا کہ سو اونٹ میں جو تعداد باقی ہے اس کو تم پورا کر دو۔ قربانی سے فارغ ہو کر آپ نے معمر بن عبداللہ (حجام) کو بلایا اور اپنے بال منڈائے جس کو حلق کہا جاتا ہے اور ناخن کتروائے۔ عورتوں کو آپ نے صرف تقصیر (بال کتروانے) کا حکم دیا۔ مونڈنے سے منع فرمایا۔ اس کے بعد آپ اپنی سواری پر بیٹھ کر مکہ کے لئے روانہ ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ قربانی مقام نحر کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی کی جا سکتی ہے۔ قربانی کا گوشت آپ نے تھوڑا سا پکوا کر کھایا اور بقیہ سب خیرات کر دیا۔ آپ نے لوگوں سے کہا کہ قربانی کا گوشت کھاؤ اور کھلاؤ اور جب تک چاہے اس کو رکھ کر رکھو۔

۱۰ ذی الحجہ کو آپ مکہ پہنچے۔ یہاں آپ نے ظہر سے پہلے طواف افاضہ کیا جس کو طواف زیارت بھی کہا جاتا ہے۔ اس طواف میں آپ نے رمل اور اضطباع نہیں کیا اور نہ سعی کی۔ اس کے بعد آپ زمزم کے کنویں کے پاس آئے اور کھڑے ہو کر زمزم پیا۔ اس وقت حسب دستور خاندان عبدالمطلب کے لوگ پانی نکال کر لوگوں کو پلا رہے تھے۔ اس کے بعد آپ اسی روز منیٰ کے لئے واپس ہو گئے۔ رات آپ نے منیٰ میں گزاری۔

اگلے روز ۱۱ ذی الحجہ کو آپ منیٰ میں سورج ڈھلنے کا انتظار کرتے رہے۔ جب زوال کا وقت آیا تو آپ سواری سے اتر کر رمی جمار کے لئے گئے۔ پہلے آپ نے جمرہ اولیٰ پر ایک کے بعد ایک سات کنکریاں ماریں۔ اس کے بعد کچھ دیر تک دعا کرتے رہے۔ اور پھر جمرہ وسطیٰ پر اسی طرح کنکریاں

ماریں۔ اس کے بعد پھر کچھ دیر تک دعا کرتے رہے۔ ہر کنکری پر آپ اللہ اکبر فرماتے رہے اس کے بعد جمرۃ العقبہ کے قریب جا کر اس کو سات کنکریاں ماریں۔ پھر آپ وہاں سے ہٹ گئے۔

اس کے بعد ۱۲ ذی الحجہ اور ۱۳ ذی الحجہ (ایام تشریق کے تینوں دن تک) آپ منیٰ ہی میں رہے۔ منیٰ میں آپ نماز قصر بغیر جمع پڑھاتے رہے۔ ۱۳ ذی الحجہ کو زوال کے بعد مکہ کے لئے روانہ ہوئے۔ آپ نے وادی محصب (ابطح) کے ایک خیمہ میں قیام کیا۔ ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء کی نمازیں یہیں پڑھیں رات کو یہیں آرام کیا۔ رات کو پچھلے پہر اٹھ کر حرم گئے اور کعبہ کا طواف (طواف الوداع) کیا اور وہیں فجر کی نماز ادا کی۔ اس کے بعد قافلہ کو سفر کا حکم دیا۔ سب لوگ اپنے اپنے مقام کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ مہاجرین اور انصار کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مکہ میں داخل ہونے سے لے کر نکلنے تک آپ کا قیام کل دس دن رہا۔

جب ذوالحلیفہ (مدینہ کے قریب) پہنچے تو آپ ٹھہر گئے اور رات یہاں گزاری۔ صبح کو طلوع آفتاب کے وقت مدینہ میں داخل ہوئے۔ جب آپ کی نظر سواد مدینہ پر پڑی تو آپ نے تین بار تکبیر کہی اور فرمایا:

اللہ اکبر لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وہو علی کل شیء قدیر۔ آئبون تائبون عابدون ساجدون لربنا حامدون۔ صدق اللہ وعدہ ونصر عبدہ وہزم الاحزاب وحدہ۔

اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں وہ اکیلا ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں، اسی کی بادشاہی ہے۔ اور اسی کے لئے تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ہم لوٹ رہے ہیں توبہ کرتے ہوئے۔ عبادت کرتے ہوئے۔ سجدہ کرتے ہوئے۔ اپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے۔ اللہ نے اپنا وعدہ سچا کیا۔ اور اس نے اپنے بندے کی مدد کی اور اس نے تمام گروہوں کو تنہا شکست دی۔

حضرت اسامہ بن شریک کہتے ہیں کہ منیٰ میں لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تھے۔ کوئی شخص کہتا کہ اے خدا کے رسول، میں نے طواف سے پہلے سعی کر لی۔ کوئی کہتا کہ میں نے رمی جمار سے پہلے حلق کرا لیا۔ کسی نے کہا کہ میں نے پہلے قربانی کی اور اس کے بعد رمی کیا۔ اسی طرح لوگ

مختلف مسائل پوچھتے رہے۔ آپ اس قسم کے سوالات کے جواب میں فرماتے افعل ولا حرج، افعل ولا حرج (کرلو کوئی حرج نہیں۔ کرلو کوئی حرج نہیں) حرج کی بات تو یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے بھائی کو بے عزت کرے۔ ایسا ہی شخص ظالم ہے۔ اسی نے حرج والا کام کیا اور ہلاک ہوا (بخاری، مسلم، ابوداود)

عن اسامۃ بن شریک رضی اللہ عنہ قال۔ خرجت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاجا۔ فکان الناس یاتونہ۔ فمن قائل۔ یا رسول اللہ سعیت قبل ان اطوف و اخرت شیئا اوقدمت شیئا۔ فکان یقول۔ لا حرج الا علی رجل اقترض عرض رجل مسلم وھو ظالم فذالک الذی حرج و ھلک

(اخرجہ ابوداؤد)

ایک سبق

حجۃ الوداع کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح ادا فرمایا اس میں ہمارے لئے بہت سے نہایت اہم سبق ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اجتماعی زندگی ہمیشہ روایات کے اوپر چلتی ہے۔ روایات کو توڑنا اجتماعی زندگی میں ناقابل تلافی خلل پیدا کردیتا ہے۔ اس لئے اجتماعی زندگی میں جو کچھ کیا جائے روایات کو توڑے بغیر کیا جائے۔ روایات کو توڑ کر کام کرنا پیغمبرانہ طریقے کے مطابق نہیں

"عن جابر بن عبد اللہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکث بالمدینۃ تسع سنین لم یحج ثم اذن فی الناس بالحج فی العاشرۃ ان رسول اللہ حاج فقدم المدینۃ بشر کثیر فخرجنا معہ (مشکوٰۃ)۔"

حضرت جابر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں نو سال رہے مگر آپ نے حج ادا نہیں کیا۔ پھر ہجرت کے دسویں سال اعلان کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج کے لئے جانے والے ہیں چنانچہ مدینہ میں بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ پھر ہم آپ کے ساتھ حج کے لئے نکلے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اسوہ کی روشنی میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے دس سال تک حج کیوں نہیں ادا فرمایا۔ ابتدائی سالوں میں بظاہر قریش کی طرف سے مزاحمت کا اندیشہ تھا جیسا کہ حدیبیہ کے موقع پر انھوں نے آپ کو عمرہ کرنے سے روکا۔ مگر رمضان ۸ھ میں جب مکہ فتح ہوا

تو اس کے بعد یہ رکاوٹ ختم ہو چکی تھی۔ فتح مکہ کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۸ھ اور ۹ھ میں حج ادا نہیں کیا۔ آپ صرف ۱۰ھ میں حج کے لئے تشریف لے گئے اور اس کے دو ماہ بعد آپ کی وفات ہوگئی۔

اس تاخیر کی وجہ یہ تھی کہ آپ یہ چاہتے تھے کہ حج کے نظام میں مطلوب اصلاح روایات کو توڑے بغیر انجام دی جائے۔ کیلنڈر دو قسم کے ہیں۔ ایک قمری، دوسرے شمسی۔ قمری کیلنڈر چاند کے بڑھنے اور گھٹنے کے اعتبار سے مقرر ہوتا ہے جس کا ہر آدمی براہ راست مشاہدہ کر رہا ہے۔ شمسی کیلنڈر علم الحساب کے ماہرین سورج کی گردش کا ریاضیاتی شمار کر کے بناتے ہیں۔ بالفاظ دیگر قمری کیلنڈر فطری کیلنڈر ہے اور شمسی کیلنڈر حسابی کیلنڈر۔

عبادات کے نظام کے لیے اللہ تعالیٰ نے قمری کیلنڈر کو پسند فرمایا ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ قمری کیلنڈر افضل یا مقدس ہے۔ جس خدا نے چاند کی گردش مقرر کی ہے اسی خدا نے سورج کی گردش بھی مقرر کی ہے۔ پھر ایک مقدس اور دوسرا غیر مقدس کیسے ہو سکتا ہے۔ اس کا سبب دراصل عملی ہے نہ کہ اعتقادی۔ عبادات میں فطری سادگی کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ اسی لیے عبادات کو قمری کیلنڈر کی بنیاد پر بنایا گیا ہے۔

یہی وہ حقیقت ہے جو ایک روایت میں ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے:

عن عبداللہ بن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم، إنّا أمّة أمّية، لا نكتب و لا نحسب، الشهر هكذا و هكذا و هكذا و عقد الابهام في الثالثة ثم قال الشهر هكذا و هكذا و هكذا، يعني تمام الثلاثين۔ يعني مرة تسعا و عشرين و مرة ثلاثين (متفق عليه)

حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم ناخواندہ لوگ ہیں ہم نہ لکھتے اور نہ حساب کرتے۔ مہینہ یوں ہے اور یوں ہے اور یوں ہے۔ اور آپ نے تیسری بار انگوٹھے کو موڑا۔ پھر فرمایا کہ مہینہ یوں ہے اور یوں ہے اور یوں ہے۔ یعنی پورے تیس۔ کبھی ۲۹ دن کا اور کبھی ۳۰ دن کا۔

قمری مہینہ کی بنیاد چاند کی رویت پر ہے۔ اس لیے وہ کبھی ۲۹ دن کا ہوتا ہے اور کبھی ۳۰ دن کا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو سادہ طور پر اس طرح سمجھایا کہ آپ نے دونوں ہاتھ کی انگلیاں کھول کر تین بار دکھائیں۔ یعنی ۱۰-۱۰-۱۰ (کل ۳۰) پھر دوسری بار آپ نے دونوں ہاتھ کی انگلیاں کھول کر تین بار دکھائیں۔ آخری بار ایک ہاتھ کا انگوٹھا سمیٹ لیا۔ یعنی ۱۰-۱۰-۹ (کل ۲۹)

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قمری مہینہ کوئی دینی مہینہ ہے اور تمام معاملات کا حساب قمری کیلنڈر کی بنیاد پر ہونا چاہیے۔ اس کا تعلق دراصل عبادتی امور سے ہے۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ عبادات کے معاملہ میں قمری تاریخوں کا لحاظ کیا جائے گا تاکہ ہر آدمی بآسانی اس کا اتباع کر سکے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حج کا نظام بنایا تو اسی مصلحت کی بنا پر اس کو قمری مہینہ کی بنیاد پر بنایا۔ مگر قریش مکہ جو کعبہ کے متولی تھے انہوں نے بعد کو اپنے تجارتی مفاد کی خاطر یہ چاہا کہ حج کا نظام شمسی کیلنڈر کی بنیاد پر مقرر کریں تاکہ حج کی تاریخیں ہمیشہ ایک ہی موسم میں پڑیں۔ اس کیلئے انہوں نے بعض دوسری قوموں سے کبیسہ (Intercalation) کا اصول لیا اور اس کو حج کے معاملہ میں رائج کر دیا۔

شمسی سال ۳۶۵ دن کا ہوتا ہے اور قمری سال ۳۵۴ دن کا۔ یعنی دونوں کے درمیان گیارہ دن کا فرق ہے۔ ہر آٹھ سال میں یہ فرق تقریباً تین مہینہ کا ہو جاتا ہے۔ اہل عرب یہ کرتے تھے کہ قمری مہینوں میں فرق کے بقدر دنوں کا اضافہ کرتے رہتے تھے تاکہ دونوں مہینے ساتھ ساتھ چلتے رہیں۔ اس طرح قمری مہینے اپنی جگہ سے ہٹتے رہتے تھے۔ یہ چکر ۳۳ سال میں پورا ہوتا تھا۔ چنانچہ ۳۳ سال تک مسلسل ایسا ہوتا کہ حج اپنی اصل تاریخوں کے بجائے دوسری تاریخوں میں آتا تھا اور ۳۴ ویں سال میں پہنچ کر وہ دوبارہ اصل ابراہیمی تاریخ (ذی الحجہ) میں پڑتا تھا۔

رمضان ۸ھ میں مکہ فتح ہوا تو یہ ۳۳ سالہ دور اپنے آخری مرحلہ میں تھا۔ یعنی ۸ھ اور ۹ھ کا حج تو سابقہ طریقہ پر ذی قعدہ کے مہینہ میں پڑ رہا تھا۔ مگر ۱۰ھ میں ۳۳ سالہ دور پورا ہو کر حج پھر اپنی اصل تاریخ میں آ رہا تھا۔ یعنی ذی الحجہ میں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک اعتبار سے دین ابراہیمی کے مجدد تھے۔ آپ اللہ کی طرف سے اس پر مامور تھے کہ حج کے نظام کو دوبارہ ابراہیمی بنیاد پر قائم کریں۔ ۸ھ میں فاتح مکہ کی حیثیت سے آپ اس کا اعلان کر سکتے تھے۔ مگر آپ نے اس وقت ایسا نہیں کیا۔ اسی طرح ۹ھ میں آپ کے لیے ممکن تھا کہ حج کو ابراہیمی تاریخوں میں ادا کیے جانے کی ہدایت جاری کریں۔ مگر اب بھی آپ خاموش رہے۔ یہ ضروری کام آپ نے ۱۰ھ میں کیا جب کہ حج کی تاریخ اپنے آپ ابراہیمی تاریخوں میں پہنچ گئی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ۸ھ اور ۹ھ میں ایسا کرنے کے لئے صدیوں کی قائم شدہ روایات کو توڑنا پڑتا۔ جب کہ ۱۰ھ میں روایات کو توڑے بغیر یہ مقصد اپنے آپ حاصل ہو رہا تھا۔ سماجی زندگی میں روایات کی بے حد اہمیت ہوتی ہے۔ اس لئے پیغمبر کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی ہے کہ روایات کو توڑے بغیر اپنا مقصد حاصل کیا جائے۔ آپ نے ۱۰ھ میں حسب قاعدہ ابراہیمی تاریخ پر حج ادا فرمایا اور پھر یہ اعلان کر دیا کہ آئندہ اب ایسا ہی ہوتا رہے گا۔

یہی وہ حکمت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع کے خطبہ میں ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے:

ایہا الناس ان الزمان قد استدار فہو الیوم کہیئۃ یوم خلق اللہ السماوات والارض وان عدۃ الشہور عند اللہ اثنا عشر شہراً (ابن جریر)

اے لوگو! زمانہ گھوم گیا۔ پس آج کے دن وہ اپنی اس ہیئت پر ہے جس دن کہ اللہ نے زمین اور آسمان کو پیدا کیا تھا۔ اور مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں۔

یعنی ۳۳ سالہ چکر پورا ہو کر آج ۹ ذی الحجہ دوبارہ ۹ ذی الحجہ کو پڑ رہا ہے۔ یہی نظام قدرت کے مطابق ہے۔ اب سابقہ مصنوعی کیلنڈر ختم کیا جاتا ہے۔ آئندہ اسی قدرتی کیلنڈر کے مطابق ہر سال ذی الحجہ میں حج ادا کیا جاتا رہے گا۔

بنیادی مذہبی تعلیم



حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ

انسانی دل و دماغ کی تعمیر اور اس کی ذہنی قوتوں کے نشو و ارتقاء کا واحد ذریعہ تعلیم و تربیت ہے۔ پند و نصائح، وعظ و تلقین، اور تذکیر و موعظت بلاشبہ نافع اور ضروری ہیں۔ لیکن ان سے ذہن بنایا نہیں جا سکتا۔ یہ چیزیں بنے بنائے ذہن میں صرف انبساط، شگفتگی، اور وسعت پیدا کر سکتی ہیں۔ اس لئے کسی قوم کے ذہن بنانے اور دل و دماغ کسی خاص سانچے میں ڈھالنے کے لئے صرف تعلیم ہی ایک موثر اور پائیدار ذریعہ ثابت ہوئی ہے۔ جس نے تاریخی طور پر ہمیشہ ہی ذہن سازی کا اثر دکھایا ہے۔

مسئلہ تعلیم کی اہمیت اور اولیت کا اندازہ صرف اسی ایک بات سے ہو سکتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے خلافت کا مسئلہ اٹھا کر تخلیق آدم کے بعد سب سے پہلے جس مسئلہ کی طرف توجہ منعطف فرمائی وہ مسئلہ تعلیم تھا۔ اور وہ بھی اس شان سے کہ آدم کو سکھانے پڑھانے کا ذمہ بلاواسطہ خود ہی لیا۔ خود ہی انہیں تعلیم دی، اور پھر خود ہی انہیں امتحان یا مقابلہ میں بٹھا کر کامیاب ہونے کا موقع عطا فرمایا جس سے خلافت اور تنظیم عالم کا مسئلہ خود بخود حل ہو گیا۔

پھر انسانوں سے دنیا آباد ہونے پر تمام انسانی حلقوں میں، ہر ملت میں، اور ہر قوم میں انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے اور کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار مقدسین کا یہ قافلہ دنیا کے اس سرے سے اس سرے تک گھمایا گیا جو اپنے نقطۂ آغاز سے لے کر نقطۂ انتہاء و تکمیل تک کے ہزارہا سالہ سفر میں وقتاً فوقتاً انسانی جتھوں میں پہنچتا رہا۔ کیا اس کی غرض و غایت تعلیم و تربیت کے سوا کچھ اور بھی تھی؟

نہیں بلکہ اس پاک گروہ کے آخری فرد اکمل محمد رسول اللہ نے نبوت کی اس بنیادی غرض و

غایت (تعلیم وتربیت) پر اپنی مہر تصدیق ان الفاظ میں ثبت فرمادی۔

انما بعثت معلما "میں بھیجا ہی گیا ہوں معلم بنا کر"

اور بعثت لاتمم مکارم الاخلاق "میرے بھیجے جانے کی غرض وغایت ہی تکمیل اخلاق ہے"۔

پس اگر بعثت انبیاء کی غرض وغایت ہی تعلیم وتربیت تھی اور بلاشبہ یہی تھی تو اندازہ کیجئے کہ رب العالمین نے کتب عالم میں سوالاکھ سچے معلموں اور پاکباز استادوں کو بھیج کر تعلیم کو کس درجہ اہم بنایا ، اور کس حد تک اس مسئلہ پر اپنی مخصوص عنایت وعطوفت مبذول فرمائی۔

پھر اس اہتمام اور توجہ کا عالم یہ ہے کہ ان سارے معصوم استادوں کی تعلیم کی کفالت بھی حق تعالیٰ نے بذات خود ہی فرمائی ۔ اور بلاتوسط کتاب واستاد محض کریم خود انہیں سکھا پڑھا کر دنیا کی تعلیم گاہ میں بھیجا تا کہ وہ انسانوں کی جبلی جہالت کو مٹا کر انہیں تعلیم یافتہ بنائیں۔

اسی پر بس نہیں کی گئی ۔ بلکہ ان کی سیرتوں کو بھی اپنے ہی اخلاق کا نمونہ بنا کر بھیجا تا کہ وہ تعلیم بنی آدم کے ساتھ ان ہی اخلاق پر ان سارے انسانوں کی سیرتوں کو بھی ڈھالنے کی جدوجہد فرمائیں ، اور اس طرح تعلیم وتربیت کا نظام اس عالم میں تا ابد چلتا رہے۔

بہرحال مقام نبوت سے لیکر بارگاہ الوہیت تک علم وتعلیم کا ایک غیر منقطع نظام ہے جو مختلف صورتوں سے اپنے کو نمایاں کرتا رہا ہے ۔ جس سے واضح ہے کہ بارگاہ الٰہی کی جو توجہ اور ازلی عنایت نیز انبیاء علیہم السلام کی جو عطوفت وشفقت مسئلہ تعلیم وتربیت پر منعطف رہی ہے وہ کسی اور مسئلہ کے حصہ میں نہیں آسکی ہے۔

ضروری گذارش

تمام خریداروں سے گذارش ہے کہ اپنے واجبات سالانہ وقت پر ادا کریں ، اور اپنے احباب کو اس کار خیر کی طرف متوجہ فرمائیں۔

اسلام کی پوری پوری پیروی اور بدعات سے بچنے کی تاکید

(مولانا امام علی دانش، لکھیم پور، انڈیا)

حامداً ومصلیاً و مسلماً۔ امابعد! بسم اللہ الرحمن الرحیم یاایھا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافۃ ولا تتبعوا خطوات الشیطان، انہ لکم عدو مبین (القرآن) اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ، اور شیطان کے قدم بقدم مت چلو، تحقیق وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

ظاہر و باطن، عقیدہ و عمل میں صرف اسلام کی اتباع سے اللہ راضی ہے۔ محض اپنے نفس کے تقاضے یا بلا دلیل شرعی محض کسی حکم کو شریعت سمجھ لینا شیطان کی پیروی ہے۔ اسلامی عقائد و احکام میں کمی یا بیشی کرنا یا ترمیم و تبدیلی کی خواہش اور کوشش کرنا شیطانی حرکت ہے، جس سے بچنا ایمان کا تقاضا ہے۔

شانِ نزول: حضرت عبد اللہ بن سلام وغیرہ جو پہلے یہودی مذہب پر تھے پھر مسلمان ہو گئے، ان کو خیال ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں ہفتے کے دن کی تعظیم واجب تھی اور شریعت محمدیہ میں اس کی بے تعظیمی واجب نہیں۔ شریعت موسوی میں اونٹ کا گوشت کھانا منع تھا اور شریعت محمدیہ میں اس کا کھانا جائز ہے واجب نہیں، سو اگر ہم ہفتے کے دن کی بدستور تعظیم کرتے رہیں اور اونٹ کے گوشت سے بچتے رہیں تو شریعت موسوی کی رعایت بھی ہو جائے گی اور شریعت محمدیہ کی بھی مخالفت نہیں ہوگی۔ چنانچہ اس خیال پر عمل سے روکنے کے لئے آیت مذکورہ نازل ہوئی اور واضح کر دیا کہ اسلام میں پورے کے پورے داخل ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ سابقہ منسوخ شدہ شریعتوں کی بھی پیروی نہ کی جائے۔ پھر اپنی طرف سے کسی عقیدہ یا عمل کو دین سمجھ کر اختیار کرنے کی گنجائش کیسے ہو سکتی ہے۔

آیت مذکورہ سے بدعت کی حقیقت اور اس کی برائی خوب سمجھ آتی ہے۔ بدعت کی حقیقت یہ معلوم ہوئی کہ کسی عقیدہ یا کسی عمل کو بلا دلیل شرعی دوسری کسی وجہ سے مستحسن سمجھ کر دین میں شمار کر لینا بدعت ہے۔ مثلاً نماز، روزہ، جو بہترین عبادتیں ہیں ان کو شریعت کے حکم کے بغیر اپنی طرف سے مقرر کرنے لگے۔ بدعت سازی درحقیقت اللہ پر افتراء ہے اور درپردہ عقیدہ ختم نبوت سے انحراف

ہے، کیونکہ شریعت بنانا اللہ کا کام ہے، جس پر اطلاع پیغمبر کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ جس عقیدہ اور حسن عمل کو اللہ کے رسول ﷺ نے دین نہیں بنایا اسے دین سمجھ کر اختیار کرنا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اہانت ہے، اور ان کے بتائے ہوئے قانون کو ناقص قرار دینا ہے۔

احادیث نبوی میں بدعت کی مذمت: رسول اکرم ﷺ نے بدعت اور بدعتی پر سخت نکیر فرمائی ہے۔ صحیح بخاری اور مسلم کی روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے ہمارے امر دین میں نیا (عقیدہ یا عمل) ایجاد کیا (جو صراحۃً یا اشارۃً یا استنباطاً) دین میں پہلے سے موجود نہیں ہے وہ مردود ہے۔ رسول مقبول ﷺ کا ارشاد ہے کہ خبردار دین میں نئی بات نکالنے سے بچو، کیونکہ دین میں نکالی ہوئی ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے (مشکوۃ)۔ بلاشک اللہ تعالیٰ نے ہر بدعت والے کو توبہ سے محروم کردیا ہے تاکہ وہ اپنی بدعت نہ چھوڑدے (طبرانی)۔ جس کسی نے بدعتی کی تعظیم وتوقیر کی اس نے اسلام کے ڈھانے میں مدد کی (ترغیب وترہیب)

اسی وعید کی بناپر بزرگان دین نے ہمیشہ بدعت سے پرہیز رکھنے کی تلقین فرمائی ہے۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ نے فرمایا جو بدعتی کو دوست رکھے خدا اس کے عمل کو باطل کردیتا ہے اور اس کے دل سے ایمان کا نور نکال دیتا ہے۔ (ابلاغ المبین) محدث سفیان بن عیینہؒ کہتے ہیں کہ جو شخص بدعتی کے جنازے کے ساتھ جائے وہ واپسی تک خدا کے غضب میں رہتا ہے (مراد اس سے بدعتی ہی شمار کیا جاتا ہے)۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ نے فرمایا، بدعت کے کام اور عمل سے بھی پرہیز لازم ہے۔ جب تک بدعت حسنہ سے بھی اسی طرح سے پرہیز نہ کرے گا جس طرح سے بدعت سیئہ سے پرہیز کیا جاتا ہے، روحانیت کی خوشبو حاضرت کے دماغ تک نہیں پہنچ سکتی قرآن وحدیث پر جس کو یقین ہے وہ بدعت کے شبہہ سے بھی دور بھاگے گا۔ (مکتوبات مجدد الف ثانی)

ایک روایت میں ہے کہ ایک گروہ (جو دنیا میں بظاہر نمازی بھی تھا) نبی اکرم کے پاس میدان محشر میں حوض کوثر پر تشنگی بجھانے کے لئے آنا چاہے گا فرشتے انہیں آنے سے روکیں گے، اور

آنحضرت ﷺ کے یہ فرمانے کہ یہ میرے آدمی معلوم ہوتے ہیں ان کو کیوں روکتے ہو فرشتے کہیں گے کہ آپ کو معلوم نہیں ان لوگوں نے آپ کے بعد دین میں کیا ایجاد کیا تھا۔ یہ سن کر آپ ﷺ بھی خفا ہو کر فرمائیں گے ان کی بدبختی ہے، ان کے لئے خرابی ہے جنہوں نے میرے بعد میرے دین کو بدلا، پھر وہ بدقسمت و نامراد لوگ جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے۔

اس لئے اسلام کی پوری اتباع کرنے کے لئے جہاں بدعات ومخترعات سے بچنا لازمی ہے وہیں یہ بھی ضروری ہے کہ دین میں کمی اور ترمیم کی شیطانی کوشش سے بھی بچا جائے۔ سیدنا ابوبکر صدیق نے مرتدین اور نبوت کے مدعیان کاذبین سے جہاد کرنے کے ساتھ منکرین زکوٰۃ سے بھی مقاتلہ کا حکم دیا تھا۔ اور واضح طور پر فرمایا تھا کہ ”دین پورا ہو چکا، وحی کے آنے کا سلسلہ بند ہو گیا، کیا میرے زندہ ہوتے ہوئے دین میں کمی کی جائے گی؟“ آج بھی اسی اسوہ صدیقی کی تقلید میں مبتدعین اور دین میں تحریف کرنے والوں سے صاف صاف کہنے کی ضرورت ہے کہ اگر تم مسلمان ہو تو تمہیں اسلام کے تابع بن کر رہنا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب نازل ہو چکی ہے اور آخری رسول حضرت محمد ﷺ تشریف لا چکے ہیں، دائمی اور آفاقی شریعت دی جا چکی ہے، دستور خداوندی مکمل شکل میں پیش کیا جا چکا ہے، اسلام کا راستہ واضح ہے۔ اسی پر گامزن ہونے میں فلاح دارین کے حصول کا انحصار ہے۔

رہ گئے حوادث وتغیرات جو دنیا میں پیش آتے رہتے ہیں ان کے حل کے لئے اجتہاد واستنباط کا دروازہ کھلا ہوا ہے مگر اجتہاد کا حق صرف اسلامی قانون کے ماہر متقی علما کو ہی نقلی اور عقلی طور پر دیا جا سکتا ہے۔ جو شخص قانون کا ماہر ہو اسی کی رائے اس قانون کی وضاحت میں معتبر ہوتی ہے۔ اسلامی قانون کے ماہر وہ علمائے دین جو کتاب وسنت کے علوم میں رسوخ رکھنے کے ساتھ تقویٰ اور خوف خداوندی سے بھی متصف ہیں وہی اسلامی قانون کی وضاحت اور بوقت حاجت اصول شرعی کی روشنی میں اجتہاد کا حق رکھتے ہیں۔ ان کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور اسلامی قانون کا علم حاصل کر کے اس کے مطابق زندگی کے تمام شعبوں میں عمل کرنا چاہیے۔ نفاق وتذبذب اور الحاد وزندقہ سے بچتے ہوئے شریعت اسلامیہ کی اتباع کرتے ہوئے زندگی گزارنا ہر مسلمان ومومن کی ذمہ داری ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

تین آسمانی کتابیں

تورات......انجیل......اور......قرآن

مسلمانوں کو خداوندی حکم ہے کہ تورات اور انجیل کو خدا کی نازل کردہ کتابیں اسی طرح مانیں جس طرح قرآن کو (یعنی احکام واجب العمل نہیں صرف نزول کے سلسلہ میں سچی کتابیں ہیں)۔ اگرچہ قرآن مجید نے ان کتابوں کو قابل اعتماد قرار دیا ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی بتلایا کہ ان کے متبعین نے بعض احکام کو بالکل چھوڑ دیا اور بعض احکام کے معانی تبدیل کر دیئے۔ اس ترک اور تبدیل کے مختلف اسباب ہوئے جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔

اس مختصر مضمون میں میرا مقصد یہ ہے کہ تینوں کتابوں کے چند مشترک مضامین کو ناظرین کے سامنے پیش کروں۔ میری تحریر تورات و انجیل کے متعلق اگرچہ اصل ماخذ پر مبنی ہوگی مگر ساتھ ہی قرآن مجید نے جو کچھ ان کے متعلق فرمایا ہے وہ بھی پیش نظر ہوگا۔

یہاں پہلا سوال جو کسی کے ذہن میں ان کتابوں کے متعلق پیدا ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ کس طرح سے یہ اپنے اپنے پیغمبروں پر خدا کی طرف سے نازل ہوئیں۔ چنانچہ تورات کی بابت اس کے متبعین کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تختیوں کی صورت میں عطا ہوئی تھی جیسا کہ خود تورات کتاب خروج کے چوبیسویں باب بارہویں آیت میں ہے۔

> "پہاڑ پر میرے پاس آ اور وہاں رہ تو میں تم کو وہ تختیاں اور قانون اور احکام عطا کروں گا جو میں نے لوگوں کو سکھلانے کے لئے تحریر کئے ہیں"

قرآن مجید نے بھی تورات کا نزول عین اسی طریقہ پر بیان فرمایا ہے "وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَوْعِظَةً وَتَفْصِيلًا لِكُلِّ شَيْءٍ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا (الاعراف) یعنی ہم نے موسیٰ کے لئے تختیوں پر ہر چیز کی بابت نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی، تو اے موسیٰ اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو اور اپنی قوم کو حکم دو کہ وہ بھی اچھی پختگی سے اس پر عمل کریں"

انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کیسے نازل ہوئی؟ اس کے متعلق کچھ زیادہ معلومات نہیں کہ اس کے متبعین کا کیا عقیدہ ہے، چونکہ وہ خود الوہیت مسیح کے قائل ہیں اس لئے ان کے نزدیک نزول کا شاید

سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بہر حال قرآن مجید بھی اس کے متعلق بالخصوص کوئی تصریح نہیں کرتا بجز اس اجمالی بیان کے جو وحی کے متعلق عمومی طور پر آیا ہے۔ "اِنَّا اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ كَمَا اَوْحَيْنَا اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْ بَعْدِهٖ۔ اے محمدؐ ہم نے تمہارے پاس ویسے ہی وحی بھیجی جیسے نوح علیہ السلام اور ان کے بعد دوسرے انبیاء کو بھیجی"

اب قرآن کے طریقۂ نزول کو دیکھنا ہے قرآن خود اس کے متعلق یوں بتاتا ہے "قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ، کہہ دو کہ اس قرآن کو روح القدس نے تمہارے پروردگار کی طرف سے حق کے ساتھ اتارا"

احادیث میں طریقۂ نزول زیادہ وضاحت سے مذکور ہے، چنانچہ رسول اللہ فرماتے ہیں، "بعض اوقات وحی میرے پاس گھنٹے کی آواز کی طرح آتی ہے اور یہ صورت میرے لئے زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے، یہ حالت اس طرح ختم ہوتی ہے کہ جو وحی آتی ہے وہ میری یادداشت میں محفوظ ہو جاتی ہے، اور کبھی فرشتہ بشکل انسان میرے پاس آتا ہے اور جو کچھ وہ کہتا ہے میں یاد کر لیتا ہوں"۔

راویۂ حدیث حضرت عائشہ ام المومنین فرماتی ہیں "وحی نازل ہونے کے وقت میں نے رسول اللہ ﷺ کو سخت سردی کے دن میں دیکھا کہ آپ کی پیشانی سے پسینہ ٹپک رہا ہوتا"

جب وحی نازل ہوتی تو رسول اللہ ﷺ وحی کے کلمات کو جلدی جلدی دہرانے لگتے تاکہ بھول نہ جائیں تو خداوند تعالیٰ نے اس پر یہ آیت نازل فرمائی۔ لا تحرك به لسانك لتعجل به ان علينا جمعه وقرآنه فاذا قرأناه فاتبع قرآنه ثم ان علينا بيانه ۔ آپ جلدی جلدی اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کریں، یہ ہمارا کام ہے کہ وحی کو تمہارے ذہن میں جمع کر دیں، اور تم کو پڑھوا دیں، تو جب ہم پڑھا کریں تو تم اس کو سنتے رہا کرو، پھر یہ بھی ہمارا کام ہے کہ اس کی تشریح کر دیں۔

غرض اس طور پر قرآن تدریجاً ضروریات کے مطابق نازل ہوتا رہا اور تئیس سال میں تکمیل کو پہنچا۔ علاوہ ازیں ایک اور بے نظیر خصوصیت قرآن مجید کی یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ محفوظ و برقرار رہے گا فرمایا "انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون "ہم ہی نے قرآن اتارا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ بہر حال تورات اور قرآن کے طریقۂ نزول میں بہت بڑا فرق ہے اگرچہ اس سلسلہ میں انجیل کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ جیسا اوپر آ چکا اس کا طریقۂ نزول کسی طور پر معلوم نہ ہو سکا۔

یہ کتابیں کس طرح مدون ہوئیں؟

تورات کی تختیوں کی نقل ضرور کی گئی ہوگی، یہ بات متعین طور پر معلوم نہیں ہے کہ اصل تختیاں یا

ان کی پہلی نقلیں کیا ہوئیں؟ البتہ موجودہ نقلیں اس قدیمی مسودہ پر مبنی ہیں جو حضرت عزیر علیہ السلام نے تیار کیا تھا۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اصل مواد ضائع ہو چکا تھا۔ انجیل کے متعلق یہ تحقیق ہے کہ حضرت عیسیٰ کے حواریوں نے بطور سیرت کے اس کتاب کو لکھا جس میں کلمات الٰہی ممتاز نہیں ہوتے، برعکس اس کے قرآن مجید خود رسول اللہ ﷺ نے لکھوایا۔ گو آپ فن تحریر سے ناواقف تھے مگر آپ نے اپنے صحابہؓ میں سے متعدد تحریر جاننے والوں کو اس کام کے لئے مقرر فرمایا تھا۔ جب وحی اترتی آپ مخصوص مقام پر اس کو لکھنے کا حکم دیتے، ہر آیت اور ہر صورت خداوندی ہدایت کے مطابق مرتب ہوتی رہی اور وفات کے وقت تک پوری کتاب مکمل موجود تھی۔

تینوں کتابوں میں مضامین کا طرز ادا

مختلف اقسام کے مضامین ان مقدس کتابوں میں بیان ہو رہے ہیں، اس مقام پر ضروری ہے کہ ہر موضوع پر تینوں کتابوں کے اقتباسات پیش کئے جائیں جن سے فیصلہ ہو سکے گا کہ کس کا طرز ادا فوقیت رکھتا ہے۔

بیان واقعات ماضیہ کا موضوع صرف تورات اور قرآن میں پایا جاتا ہے، انجیل اس موضوع سے خالی ہے۔ یہاں ایک بات ملحوظ خاطر رکھنے کی ضرورت ہے کہ تورات اور قرآن مجید میں اس موضوع کے اندر اولین فرق یہ ہے کہ تورات واقعات کا بیان بطور تاریخ کے کرتی ہے اور پوری تفصیل کے ساتھ واقعہ سامنے لاتی ہے، برعکس اس کے قرآن مجید کسی مخصوص غرض کے لئے صرف اتنا حصہ واقعہ کا بیان کرتا ہے جس کا تعلق اس غرض کے ساتھ ہے۔ اب چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

تورات، تکوین

فی البدء خلق اللّٰہ السماوات والارض وکانت الارض خربۃ وخالیۃ وعلی وجہ الارض ظلمۃ۔ وروح اللّٰہ یرف علی المیاہ وفرغ اللّٰہ فی الیوم السابع من عملہ۔ پہلے خدا نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ زمین ویران اور خالی تھی اور اس کی سطح پر تاریکی تھی خدا کی روح پانی پر حرکت کرتی تھی، خدا نے ساتویں دن اپنا کام ختم کیا۔ پھر اس کا تفصیلی بیان کا تقریباً دو صفحوں میں مذکور ہے۔

قرآن

اب قرآن کو لیجئے جس نے مختلف مقامات پر بہت اختصار کے ساتھ اس موضوع کو اٹھایا ہے، جس کا مقصد وجود خالق، اس کا قادر مطلق ہونا اور دیگر صفات الٰہیہ کا ثابت کرنا ہے۔ یہاں صرف

ایک اقتباس پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ھو الذی خلق السموات والارض فی ستۃ ایام و کان عرشہ علی الماء۔ خدا کی ذات وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا اور اس کا عرش پانی پر تھا۔

قصص الانبیاء میں سے اگر حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے کو ہی لیجئے جو قرآن کے فیصلے کی بناء پر بہترین قصص (احسن القصص) ہے اور جس میں بہت سے مواعظ اور خدائی کی شہادتیں ہیں

توراۃ

فاخذوا قمیص یوسف وذبحوا بیتا من المعز وغمسوا القمیص فی الدم وارسلوا القمیص الملون واحضروہ الی ابیھم وقالوا وجدنا ھذا حقق القمیص ابنک ھو ام لاتحققہ وقال قمیص ابنی وحش ردی اکلہ افترس یوسف افتراسا فمزق یعقوب ثیابہ۔ انہوں نے یوسف کی قمیص لیکر ایک بکری ذبح کی اور قمیص کو خون میں ڈبو یا اور خون میں رنگی ہوئی قمیص کو بھیجا اور اپنے باپ کے پاس اس کو لے گئے، اور کہا یہ قمیص ہم نے پائی ہے اب معلوم کیجئے کہ یہ قمیص آپ کے بیٹے کی ہے یا نہیں؟ باپ نے پہچان کر کہا میرے بیٹے کی قمیص ہے کسی برے درندے نے اس کو کھایا۔ یوسف پھاڑ کھایا گیا۔ پھر یعقوب نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔

قرآن

وجاؤا علی قمیصہ بدم کذب قال بل سولت لکم انفسکم امرا فصبر جمیل واللہ المستعان علی ما تصفون۔ اور وہ لوگ جھوٹا خون اس کی قمیص پر لگا لائے، یعقوب علیہ السلام نے کہا کہ تم نے خود سے ایک بات بنالی، اب میرا شیوہ صبر جمیل ہوگا، جو کچھ تم کہتے ہو اس کے لئے خدا کی مدد مطلوب ہے۔

توراۃ

ان امرأۃ سیدہ رفعت عینھا الی یوسف وقالت اضطجع معی فابی وقال کل مالہ دفع الی یدی ولم یمسک عنی شیء غیرک فکیف اصنع ھذا الشر العظیم۔ یوسف علیہ السلام کے آقا کی بیوی نے اپنی آنکھیں ان کی طرف اٹھائیں اور کہا میرے ساتھ لیٹ، لیکن انہوں نے انکار کیا اور کہا میرے آقا کے پاس جو کچھ ہے سب کچھ میرے ہاتھ میں دیدیا اور بجز تمہارے کوئی چیز مجھ سے علیحدہ نہیں رکھی تو میں اس بڑی برائی کو کیونکر کرسکتا ہوں۔

قرآن

وراودته التي هو في بيتها عن نفسه وغلقت الابواب وقالت هيت لك قال معاذ الله انه ربي احسن مثواي۔

تورات

ولما نظر یوسف اخوته عرفهم وتنكر لهم و كلم معهم بجفاء، فقالوا من ارض كنعان لنشتري طعاما ۔ جب یوسف نے اپنے بھائیوں کو دیکھا تو پہچان لیا، لیکن اپنے آپ کو ناواقف بنایا، اور سختی کی گفتگو کی، انہوں نے کہا ہم تیرے کنعان سے غلہ خریدنے کو آئے ہیں۔

قرآن

وجاء اخوة يوسف فدخلوا عليه فعرفهم وهم له منكرون...... جئنا ببضاعة مزجاة فاوف لنا الكيل وتصدق علينا ۔ یوسف کے بھائی آئے اور ان کے پاس پہنچے تو انہوں (یعنی یوسف علیہ السلام) نے پہچان لیا، لیکن انہوں نے نہیں پہچانا...... انہوں نے کہا کہ ہم کھوٹی پونجی لے کر آئے ہیں، بھرپور غلہ دیجئے اور ہم پر بخشش کیجئے۔

تورات

قال يوسف تقدموا الي فتقدموا فقال انا يوسف اخوكم الذي بعتموني الى مصر والان لاتتاسفوا ولاتغتاظوا لانكم بعتموني هنا لان لاستبقاء الحياة ارسلني الله ۔ یوسف نے کہا کہ میرے پاس آؤ تو وہ آگے بڑھے انہوں نے کہا کہ میں تمہارا بھائی یوسف ہوں جس کو تم نے مصر میں بکوا دیا تھا، اب نہ تو افسوس کرو اور نہ اپنے اوپر غصہ کرو، تم نے مجھے یہاں بیچا کیونکہ خدا نے مجھ کو زندگی باقی رکھنے کے لئے بھیجا ہے۔

قرآن

قالوا أ انك لانت يوسف، قال انا يوسف وهذا اخي قد من الله علينا انه من يتق ويصبر فان الله لا يضيع اجر المحسنين، لاتثريب عليكم اليوم يغفر الله لكم وهو ارحم الراحمين ۔ انہوں نے کہا کہ آپ یوسف ہیں کہنے لگے کہ ہاں میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی، اللہ نے ہم پر احسان کیا جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ اچھے کردار والوں کو ضائع نہیں فرماتا، آج کے دن تم پر کوئی سرزنش نہیں ہے، اللہ تم کو معاف دے، وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربانی کرنے والا ہے۔

مبلغین کو تام ہدایات

تورات: (۱) احکامی تعملون و فرائضی تحفظون ۔ تم لوگ میرے حکموں کی تعمیل کرو گے اور میرے فریضوں کی حفاظت کرو گے۔ (۲) انما احترزوا ضبط نفسک ۔ اپنے آپ کو قابو رکھو اور احتیاط برتو۔

انجیل: (۱) و ما من عمل و علم بانی عظیما فی ملکوت السموات ۔ جو شخص عمل کرے گا اور تعلیم دے گا وہ آسمانوں کی سلطنت میں بڑا کہلائے گا (۲) بل خافوا بالحری من الذی یقدر ان یھلک النفس والجسد کلیھما فی جھنم ۔ بلکہ اس ذات سے ڈرو جو قدرت رکھتی ہے کہ نفس اور بدن دونوں کو جہنم میں تباہ کردے۔

قرآن: (۱) یا ایھا الذین آمنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم ۔ اے ایمان والو تم پر اپنی اپنی خبر گیری لازم ہے۔ جب تم خود سیدھی راہ پر ہو تو جو گمراہ ہے تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ (۲) یا ایھا الذین آمنوا کونوا قوامین للہ شھداء بالقسط ۔ اے ایمان والو خدا کے احکام پر عمل کرانے کے لیے تیار ہو جاؤ، اور حق کے گواہ ہو۔

خصوصی احکام

مختلف خصوصی احکام کے متعلق چند اقتباسات درج کیے جاتے ہیں۔

تورات: لا ترتکبوا جورا لا فی الوزن و لا فی الکیل ۔ تولنے اور ناپنے میں ظلم سے کام نہ لو۔

انجیل: وبالکیل الذی بہ تکیلون تکالون ۔ تمہارے واسطے ناپنے کے لیے وہی پیمانہ استعمال ہوگا جو تم استعمال کرو۔

قرآن: واقیموا الوزن بالقسط ولا تخسروا المیزان ۔ وزن کو انصاف کے ساتھ برپا کرو اور تولنے میں کمی نہ کیا کرو۔

تورات: من ضرب انسانا فمات یقتل قتلا ۔ جس نے کسی آدمی کو پیٹا اور وہ مر گیا تو مارنے والا قتل کیا جائے گا۔

انجیل: من قتل یستوجب الحکم ۔ جو قتل کرے گا وہ اسی حکم کا مستحق ہوگا۔

قرآن: کتب علیکم القصاص فی القتلی ۔ مقتول کا بدلہ لینا تم پر فرض کیا گیا ہے۔ (۲) ولکم فی القصاص حیاۃ ۔ تمہارے لیے بدلہ لینے میں زندگی ہے۔

نوٹ: تورات اور انجیل کے حوالے اس نسخے سے لیے ہیں جو آکسفورڈ میں ۱۸۶۹ء میں شائع ہوا تھا۔

اللہ کو پامردیٔ مومن پہ بھروسہ

اوریا مقبول جان

وہ جو کائنات کی آفرینش سے لے کر آج تک طاقت کو اپنا خدا، ٹیکنالوجی کو اپنا دیوتا اور وسائل کو اپنا نجات دہندہ سمجھتے آئے ہیں۔ جو ہر اس طاقت کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں جسے طاقتور، دولت مند اور صاحب اقتدار سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کی دنیا ہی الگ ہوتی ہے۔ ان کے خواب ہمیشہ کسی ایوان کی چوکھٹ، کسی عالمی طاقت کے محل یا کسی صاحب ثروت کی ڈیوڑھی کے سامنے کشکول سے شروع ہوتے ہیں، اس کی تعریف میں رطب اللسان قصیدوں کے بول ان کی زبانوں پر جاری ہوتے ہیں، بھیک کے چند سکوں کی جھنکار کشکول میں گرتے ہی انہیں یوں لگتا ہے جیسے ان کی زندگیوں میں آسائش اور خوشحالی نے دستک دے دی۔ بس پھر خواب اگر سچ نکل آئے تو خود کو کمزور، ناکارہ، بے کس اور بے یار و مددگار کہنا ان کا معمول بن جاتا ہے اور جو طاقت انہیں بھیک دے ان کے سر پر اپنا ہاتھ رکھے یا ان کی ضرورت کیلئے سامان فراہم کرے یہ ان کی عظمت، ہیبت، صلاحیت اور تباہ کر دینے والی خوفناک صلاحیتوں کے گن گاتے نہیں تھکتے۔

ایسے افراد صرف آج کے سائنسی ترقی یافتہ دور میں نہیں بلکہ ازل سے موجود رہے ہیں۔ بڑی طاقتوں کے قریب یا دور رہنے والی باج گزار ریاستوں کے حاکم، جو اپنے عوام پر ظلم اس لیے روا رکھتے ہیں کہ انہیں کسی بڑی طاقت کی پشت پناہی حاصل تھی۔ کسی حکمران، بادشاہ، ڈکٹیٹر یا مطلق العنان جمہوری سربراہ کے کاسہ لیس امراء، وزراء، نواب، جاگیردار، کاروباری اور اعلیٰ عہدیدار، ان سب کو بھی حکمران کی طاقت، اس کی ہیبت اور موت تک اس کرسی سے منسلک ہونے کا یقین سا ہوتا ہے۔ اس لئے نہ ان کے ذہن اس کائنات میں کسی اور طاقت کا تصور کرتے ہیں اور نہ ان کی آنکھیں وہ منظر دیکھنا گوارا کرتی ہیں

جب ان کا ممدوح اور ان کا داتا اقتدار کی راہداریوں سے ٹھوکریں کھاتا ہوا ذلت کی گہرائیوں میں جا گرے گا۔

لیکن ان طاقت کے پجاریوں اور اسباب دنیا پر مکمل بھروسہ اور ایمان رکھنے والوں کا کھیل بھی نرالا ہوتا ہے۔ بس ذرا کسی کا اقتدار ڈولنے لگا، کسی طاقت میں کمی آئی، کسی کو ذلت کا سامنا ہوا، ان کے قصیدوں کا رخ اچانک دوسری جانب بدل جاتا ہے۔ ایک سورج کے غروب ہوتے ہی یہ دوسرے سورج کے طلوع کے آثار دیکھتے ہی سجدہ ریز ہوجاتے ہیں۔ کشکول صاف کرکے ازسرنو اپنی ضرورتوں اور پریشانیوں کی داستان بیان ہونے لگتی ہے۔ وفاداریوں کا یقین دلایا جاتا ہے۔ نئی طاقت کے افسانوی کردار کو یوں پیش کیا جاتا ہے کہ اردگرد رہنے والے خوف زدہ ہوجائیں۔ ان طاقت کے پجاریوں میں ایک چیز ہمیشہ مستقل رہی ہے۔ وہ ایک معاملے میں ہمیشہ ثابت قدم رہے ہیں۔ چوکھٹ، دروازہ یا دالان کسی بھی طاقت کا ہو ان کا رونا ہمیشہ مستقل ہوتا ہے۔ ہم کمزور ہیں، لاچار ہیں، پسماندہ ہیں، دربدر ہیں، بھوک اور افلاس نے ہمارے ہمارے گھر ڈیرے ڈال رکھے ہیں، آپ کی نظر کرم نہ ہو تو ہم مرجائیں گے، ہمیں لوگ کچا کھا جائیں گے۔ ہم تو آپ کے غیظ وغضب سے خود بھی ڈرتے ہیں اور اپنے ہم وطنوں کو بھی ڈراتے ہیں۔ آپ کا غصہ اور غضب الامان۔ آپ تو بستیاں اجاڑ دیں، آپ ہمارا حقہ بند کردیں تو ہمیں کوئی پانی بھی نہ دے۔ ہم قحط اور فاقوں سے مرجائیں۔ آپ ہم سے نظریں پھیر لیں تو ہمارے بیرونی دشمن تو دور کی بات ہے ہمارے عوام ہی ہمیں کچا کھا جائیں۔ دنیا کی تاریخ میں ایسے لوگ ویسے رہنما اور ایسی قومیں ہمیشہ موجود رہی ہیں جن کے اندر کا خوف اور احساس کمتری، مانگے کی آسائش اور کسی کی عطا کی گئی طاقت انہیں کبھی بھی سر اٹھانے کا موقع نہیں دیتی بلکہ وہ زمین پر چیونٹیوں کی طرح دبے دبے سہمے سہمے زندگی گزارتے رہے۔

طاقت کی پوجا میں منہمک ان لوگوں کی آنکھیں تاریخ کے کسی دور میں بھی نہیں کھلتیں۔ ہاں اس وقت ان کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں جب کوئی ناقابل یقین حد تک کمزور طاقت ان کا

کم آن رسید حق ہے اور انہیں پتا قبلہ بدلنے کی فرصت تک نہیں ملتی۔ایک عالمی طاقت ایران کے دربار میں جب پھٹے ہوئے کپڑوں اور زنگ آلود تلواروں کے ساتھ عرب کے بادیہ نشیں پہنچے تو یہ طاقت کے پجاریوں کے لئے بڑی حیرت کا لمحہ تھا۔تمسخر کا وقت۔فردوسی نے ایران کے بادشاہ کا وہ مکالمہ اپنے شاہنامہ میں یوں لکھا ہے۔

شیر شتر خوردن سو سمار
عرب را بجائے رسید است و کار
کہ تخت کیاں را کند آرزو
تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

(اونٹنیوں کا دودھ پینے والو اور گوہ کا گوشت کھانے والو عربو! تمہیں کیا مذاق سوجھا ہے کہ کیاں کے تخت کی آرزو کرنے لگے ہو۔اے قدیم آسمان تم پر تفو ہے کہ یہ دن دکھا رہا ہے)

اور تاریخ کا مکالمہ تو اس سے بھی دلچسپ ہے۔وہی منظر نامہ ہے جو آج امریکہ اور اس کے کاسہ لیسوں کا ہے۔یزدگرد نے کہا کہ اے گنوار جاہل اور اجڈ عرب کے لوگو! تمہیں خبر ہے کہ جب تم ہماری سرحد کے قریب جب تم ہماری سرحد کے قریب ذرا سا بھی سر اٹھانے کی کوشش کرتے تھے تو ہم اپنے سرحدی حاکم کو کہتے تھے اور وہ صرف ایک دن میں تمہارا دماغ سیدھا کر دیتا تھا۔

لیکن وہ جو کائنات کا اصل مالک اور اصل طاقت ور ہے وہ کوئی اور فیصلہ تحریر کر چکا تھا۔یہ ٹیکنالوجی سے لیس لشکر کی معمولی ہتھیاروں سے مسلح افراد سے شکست کی تحریر۔یہ تحریر صرف ایک بار نہیں کئی بار لکھی گئی۔جب دنوں کو بھوکے رہنے والے اور پیاس کے عالم میں گھوڑوں کا خون نکال کر پینے والے منگول چنگیز خان کی قیادت میں نکلے تو ساری مہذب اور ترقی یافتہ دنیا میں خاک اڑاتے گئے۔روم جسے اپنی سپاہ پر ناز تھا افریقہ کے بربروں کے ہاتھوں تہہ تیغ ہوگیا۔بغداد کی تہذیب جسے اپنے علم اور سائنسی کمالات پر فخر تھا ہلاکو کے ہاتھوں یوں تباہ ہوئی کہ دریائے دجلہ کا پانی سرخ ہوگیا۔یہ

پرانے زمانے کی باتیں ہیں۔

یہ ابھی کل کی بات ہے دنیا کی ایک عظیم طاقت ایک ایسے ملک ویت نام میں گئی۔ جہاں ایک بندوق کو لی تو کیا ایسی کوئی گولی تک نہیں بنتی تھی اور وہاں ذلت ورسوائی اور ایک لاکھ لاشیں اٹھا کر واپس۔ یہ منظر تو میرے ملک کے ہر چھوٹے بڑے کو یاد ہے جب یہاں کے کمیونسٹ انقلابی افغانستان کے روس میں آنے پر روز اپنی مغربی سرحد سے سرخ پھریرے کے خواب دیکھتے تھے۔ لیکن جیسے ہی یہ سرخ پھریرا لپیٹا گیا مجسمے گرائے گئے تو سب کے سب انسانی حقوق کے نام دوسری عالمی طاقت کی گود میں جا بیٹھے۔ کسی نے ان جی او بنائی اور کوئی سیاسی طور پر ان کا حلیف ہو گیا۔ لیکن تاریخ طاقتور کے انجام اور ذلت انگیز انجام سے بھری ہوئی ہے۔

لیکن طاقت کو ذلیل ورسوا کرنے کا تمغہ ان قوموں کے سر پر سجتا ہے جو غیرت اور حمیت کے ساتھ زندہ رہنا چاہتی ہیں۔ کسی پرسلر یا کیری لوگر کے کشکول میں بھیک کا انتظار نہیں کرتیں۔ ایسی قومیں آج بھی زندہ اور سرفراز ہیں۔ ان پر کوئی ڈرون سے حملہ بھی نہیں کرتا اور انہیں بھیک دینے سے پہلے یہ بھی نہیں کہتا کہ خبردار اپنا رویہ ٹھیک کرو، اپنی بدمعاشیاں بند کرو، ہمارے خلاف بولنے والی زبانیں اور اٹھنے والے ہاتھ کاٹ دو۔

لیکن اب شاید وہ دن قریب ہیں۔ اس معرکہ حق وباطل کے دن جس کا انتظار اہل نظر مدتوں سے کر رہے تھے۔ ایسا میدان جنگ جس میں حق وباطل آمنے سامنے ہوں تو معیار صرف غیرت حمیت عزت اور قومی افتخار کے علاوہ اور کوئی باقی نہیں رہتا۔ نہ ٹیکنالوجی پر بھروسہ اور نہ طاقتور کا خوف، وہاں معیار صرف یہی ہوتا ہے جو میرے اللہ نے متعین کر دیا اور جسے اقبال نے یوں نظم کر دیا۔

اللہ کو پامردیٔ مومن پہ بھروسہ
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

پامردیٔ مومن کی فتح اور مشینوں کی شکست کا موسم دستک دینے کو ہے

انوار انوری

احوال وواقعات خاتم المحدثین حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

قسط نمبر: 31

حضرت مولانا محمد انوری

جب کوئی کام دینی یا دنیوی شروع کیا جائے تو اس کے لئے اول یہ ضروری ہے کہ اس کا سامان سارے کا سارا مہیا کیا جائے۔ پس کلمہ اللہ کا اس کا متکفل ہے۔ کیوں کہ یہ علم ہے۔ اس ذات پاک کا جو مجمع جمیع صفات کمال ہے۔ پھر اس کام کے پورا ہونے تک وہ سامان باقی بھی رہے اس کا رحمن کا کلمہ متکفل ہوا یعنی بقاء عالم اس کلمہ کے ساتھ مربوط ہے۔ تیسرے پایا جانا فائدہ اس کام کا اور یہ صفت رحیمی کا کام ہے۔ کہ اپنی رحمت سے محنت بندوں کی برباد نہیں کرتا۔ چوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دین جامع الادیان ہے۔ اس لئے تسمیہ میں یہ تمام اسماء جمع فرمائے گئے۔ عرب کے ہاں تو کلمہ اللہ مشہور ہی تھا۔ (بنی اسرائیل میں) بنی اسرائیل میں لفظ رحمن مشہور تھا۔ قل ادعو اللّٰہ او ادعوا الرحمٰن ایاما تدعوا فلہ الاسماء الحسنیٰ قرآن عزیز نے دونوں اسماء کو جوڑ دیا کہ جو نام بھی پکارو سب اسماء حسنیٰ ہیں۔ پہلے عرب یوں کہتے تھے وما الرحمن۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا حکم ہوا تھا۔ پھر قبلہ تا قیامت کعبہ شریف ہو گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو بنی اسرائیل میں سے ہیں جب کہ دوبارہ تشریف لائیں گے تو کعبہ شریف ہی کا رخ کریں گے اور حج بھی کریں گے۔ یعنی شریعت محمدیہ پر عمل درآمد کریں گے۔ یہ اس طرف اشارہ ہوگا کہ سب ادیان ایک ہوگئے۔ اور محمد رسول اللہ ہی خاتم الانبیاء ہیں۔ یہ عملی طور پر ثابت فرمادیں گے۔ بزرگان دین نے ان اسماء کا ورد کرایا فرمایا ہے۔ تاکہ ان کی برکت سے دینی دنیاوی نعمتیں ملتی رہیں۔

سورۃ فاتحہ الحمد للہ رب العلمین (ف) بسم اللہ شریف اگرچہ فاتحہ کا جزو نہیں لیکن قرآن کا جزو ضرور ہے اور اس کا پڑھنا شروع رکعت میں اکثر کے نزدیک واجب ہے۔ زیلعی شرح کنز اور زاہدی نے مجتبیٰ سے نقل کیا ہے۔ یہی صحیح روایت ہے۔

ابی حنیفہؒ سے (وہبانیہ میں ہے) نے اپنے منظومہ میں فرمایا ہے۔

ولو لم یبسمل ساھیا کل رکعۃ ...... ویسجد اذا یحا بہا قال اکثر

کبیری میں بھی لکھا ہے کہ یہی احوط ہے۔ سورۃ فاتحہ مکیہ ہے۔ یہاں حمد پر الف لام استغراق کا ہے۔ یعنی سب فرد حمد کے اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ جناب باری تعالیٰ عز اسمہ نے اپنی حمد ذات پاک کے ساتھ مخصوص فرما کر بعد میں اس کی تین صفات علی الترتیب ذکر فرمائیں۔ تربیت، رحمت، جزا۔ اس لئے کہ کوئی کسی کی تعریف جب کرتا ہے یا تو اس لئے کہ اس کے احسانات سابقہ اس کے مدنظر ہوتے ہیں یا زمانہ حال میں اس پر احسان کرتا ہے یا آئندہ کو امید ہوتی ہے کہ مجھ پر احسان کرے گا۔ باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو بندے صفت وثنا کریں وہ اس واسطے بھی ہے کہ میں نے ان پر بے شمار نعمتیں پہلے عطا کی ہیں۔ کہ صفت ربوبیت کی رکھتا ہوں۔ ان کو پیدا کرنا اور تربیت ظاہری اور باطنی کرنا اور جو نظر اس پر کریں کہ اس کی نعمتیں بے شمار فی الحال موجود ہیں۔ کہ میں رحمٰن ورحیم ہوں۔ اور اگر دور اندیشی کا طریق اختیار کریں تو بھی میں ہی مستحق حمد ہوں کہ جزا بھی میری طرف سے ملے گی۔ غرض ہر ہر جوڑ کی عبادت الگ الگ ہے۔ مثلاً دل کی عبادت یہ ہے کہ جو عقائد انبیاء علیہم السلام لائے ہیں ان پر یقین کرنا اور حق مان لینا اور اس پر دوام کر لینا۔ روح کی عبادت یہ ہے کہ اس کے مشاہدہ میں غرق رہنا اور اس کے مراقبہ میں آرام پانا اور سر کی عبادت یہ کہ اس کی معرفت میں ڈوبا رہنا۔ حتیٰ کہ ولا تکن من الغافلین نصیب ہو جائے۔ غرض عبادت کی حقیقت یہ ہے کہ اس کی مرضیات میں غایت تذلل کے ساتھ اپنے تمام اعضاء اور ظاہری باطنی قوتوں کو لگائے رکھے اور ایک دم بھر کے لئے غافل نہ ہو۔

حدیث میں ہے کہ جب بندہ الحمد للہ رب العلمین کہتا ہے تو ادھر سے ارشاد ہوتا ہے حمدنی عبدی اور الرحمٰن الرحیم کہتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے اثنا علی عبدی جب مالک یوم الدین کہتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے مجدنی عبدی بندے نے میری بزرگی بیان کی۔ ایاک نعبد و ایاک نستعین جب کہتا ہے تو فرماتے ہیں ھذا بینی و بین عبدی ولعبدی ما سأل یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے۔ اور میرے بندے کو ملے گا جو وہ سوال کرے گا۔ اور جب اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کہتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے ھذا لعبدی ولعبدی ما سأل یہ میرے بندے کا حق ہے اور میرے بندے کو وہ بھی ملے گا جو اس نے سوال کیا حدیث کے شروع میں قسمت الصلوٰۃ بینی و بین عبدی یہاں پر صلوٰۃ بمعنی سورۃ فاتحہ ہے۔ حدیث بخاری میں یوں بھی وارد ہے واذا قال الامام غیر

المغضوب علیھم و لا الضالین فقولوا آمین جب امام کہے غیر المغضوب علیھم و لا الضالین تو تم آمین کہو یعنی الحمد شریف کے ختم پر آمین کہنا چاہئے۔ معلوم ہوا کہ الحمد شریف پڑھنا حق امام کا ہے مقتدی کا حق صرف آمین کہنا ہے جیسے واذا قال الامام سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا ربنا ولک الحمد سو اس کو آہستہ ہی کہتے ہیں۔ آمین بھی آہستہ ہی کہنا چاہئے۔ آمین کے معنی اے اللہ تو قبول فرمالے۔ (مستحب)

انعمت علیھم چار قسم کے گروہ ہیں۔ انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین۔ یعنی آخرت میں ان کے ساتھ حشر فرما۔ عوام کو چاہئے کہ صالحین کی صحبت اختیار کریں اور ان کے سینوں سے انوار لیتے رہیں۔ ان کا طریق اختیار کرلیں۔ صالحین بسبب کمال متابعت کے اپنے ظاہر کو گناہوں سے پاک رکھتے ہیں اور اپنے باطن کو اعتقادات فاسدہ اور اخلاق رذیلہ سے دور رکھتے ہیں اور یاد حق میں ایسا لگ جاتے ہیں کہ دوسری طرف توجہ کرنے کی گنجائش ہی ان میں نہیں رہتی تا آنکہ باری تعالیٰ ان کو پھر دوسری جانب سے محفوظ فرمالیتا ہے (الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ) اور شہداء وہ حضرات ہیں کہ ان کے قلوب مشاہدات حق میں اور تجلیات میں مستغرق ہوتے ہیں اور جو کچھ انبیاء علیہم السلام نے پہنچایا ہے۔ دل ان کے اس شان سے قبول کرلیتے ہیں گویا دیکھتے ہیں اسی واسطے راہ حق میں جان دے دینا ان کے لئے آسان کام ہوتا ہے۔ اور صدیق وہ ہیں کہ قوت نظریہ ان کی انبیاء علیہم السلام کی طرح کامل ہوتی ہے۔ اور ہمیشہ عمر سے جھوٹ بولنے اور دورنگی سے دور رہتے ہیں۔ امور دین میں مالک خدا کے واسطے لگے رہتے ہیں۔ خواہش نفس کو ہرگز ہرگز دخل نہیں ہوتا۔ صدیق کی نشانی یہ ہے کہ اس کے ارادہ میں تردد بالکل نہیں ہوتا۔ انبیاء علیہم السلام وہ نفوس قدسیہ ہیں جن کی تربیت براہ راست باری تعالیٰ عزاسمہ فرماتے ہیں کہ نور پاک کی تاثیر ان میں ایسی کامل ہوتی ہے۔ کہ مطلقاً غلطی اور شبہ ان کے معلومات میں راہ نہیں پاتے۔ ان کو اللہ تعالیٰ معصوم اور محفوظ رکھتا ہے۔ لہذا لوگوں پر واجب ہے کہ بے تفتیش وجہ کے انبیاء علیہم السلام کے لائے ہوئے احکام مان لیں۔ انبیاء پر اعتراض کرنا یہود نے شروع کیا۔ معاذ باللہ۔

صراط الذین انعمت علیھم ۔ گو ظاہر میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سب انبیاء علیہم السلام کے بعد میں تشریف لائے لیکن باطن میں آپ کی ہدایت سابقین انبیاء علیہم السلام میں سرایت کرتی رہی اُولٰئک

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ یعنی ان کی ہدایت بھی آپ ہی کی ہدایت ہے جو ان کے باطن میں سرایت کر گئی۔ تو جب آپ ان کی حذی پر چلیں گے تو یہ درحقیقت ان کا ہدایت پانا آپ کی ہدایت سے ہوا۔ کیوں کہ آپ کو اولیت باطنا حاصل ہے۔ اور ظاہرا آخریت ہے۔ ورنہ بھم اقتدہ ہوتا اور حدیث کنت نبیا و آدم بین الماء والطین و غیرھا منصوص اسی طرف مشیر ہیں کہ جو متقدم نبی ہوئے ہیں وہ اپنی بعثت میں آپ ہی کے نائب ہوئے ہیں۔ یہ دلائل ولی حدیث بھی اسی کی مؤید ہے فعلمت علم الاولین والاخرین سے مراد انبیا ہی ہیں جو اول ظہور پذیر ہوئے (ایسے ہی آخرین سے مراد وہ انبیاء جو بہ نسبت اولین کے بعد میں آئے) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل ہی تشریف لائے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد شریف کے ظہور سے متقدم تھے۔ (الیواقیت ج ۲ نمبر ۱۸)

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۔ معلوم ہوا کہ تقویٰ کا اطلاق معانی متفاوتہ پر ہوتا ہے۔ کبھی ایمان کے معنوں میں آتا ہے وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى ۔ کبھی توبہ کے معنی دیتا ہے۔ مثلاً وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا ۔ کبھی طاعت کے معنوں میں آیا ہے۔ مثلاً اَنْ اَنْذِرُوْا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۔ کبھی ترک گناہ پر بولا گیا ہے مثلاً وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللّٰهَ کبھی اخلاص کے معنی دیتا ہے ۔فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۔ (از فتح القدیر)

الٓمٓ ۔ یہ حروف مقطعات کہلاتے ہیں۔ ان سے کیا مراد ہے ہمیں اس کا مکلف نہیں بنایا گیا بس ہم ایمان لاتے ہیں کہ یہ بھی کلام ربانی ہے۔ ایک راز ہے اللہ اور اللہ کے رسول کے درمیان ذٰلِكَ الْكِتٰبُ ۔ یہ کتاب اللہ یعنی قرآن مجید کی عظمت کی طرف اشارہ ہے۔ لَا رَيْبَ فِيْهِ اس کے برحق اللہ کا کلام ہونے میں کوئی شک نہیں کیوں کہ کھلا عام اور دائمی چیلنج کیا گیا کہ اگر تمہیں ریب ہے تو اس طرح کا کلام بنالاؤ۔ یا کم از کم دس سورتیں ہی بنالاؤ۔ کم از کم ایک ہی سورت بنالاؤ۔ تم بھی اہل لسان ہو عرب ہو مکہ معظمہ کے رہنے والے ہو عرب العربا ہو مگر بحمد اللہ آج تک کوئی نہ لاسکا۔ یا تو اس کی مثل لاؤ یا پھر جب مقابلہ کی تاب نہیں تو اس پر ایمان لاؤ۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۔ یہ قرآن ہادی ہے متقین کے لئے۔ یعنی جو پرہیز کرتے ہیں انہیں اس قرآن سے فائدہ پہنچتا ہے۔ اس کے ہادی ہونے میں تو کچھ شک نہیں۔ لیکن جو اس پر عمل کرے گا اس

کے حرام کو حرام سمجھے گا اور حلال کو حلال یقین کرے گا۔ ممنوعات سے پرہیز کرے گا وہی شفایاب ہو گا۔ ورنہ نسخے کے تو شافی ہونے میں کوئی شبہ ہے ہی نہیں۔

الذین یومنون بالغیب الایہ۔ یعنی جو لوگ ایمان بالغیب لاتے ہیں اور باری تعالیٰ کو ذات اور صفات اور افعال میں یکتا یقین کرتے ہیں حالانکہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا فقط محمد رسول اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے یقین کر لیا یہی ایمان بالغیب ہے۔ تمام ثواب اور عقاب یہ سب امور غیبیہ ہی ہیں۔ ایمان کے معنی لغت میں گرویدن۔ باور کردن اور اصطلاح میں انبیاء علیہم السلام کے اعتماد پر جو کچھ باری تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں یقین کر لینا اور مان لینا ایمان کہلاتا ہے۔ کفر کے معنی مکر جانا یعنی منکر ہو جانا۔ یعنی جو امور انبیاء علیہم السلام باری تعالیٰ کی طرف سے لاتے ہیں ان کے سچ ہونے میں شبہے نکالنا۔ یا تکذیب کرنا کفر کہلاتا ہے۔

ویقیمون الصلوٰۃ اور نماز قائم کرتے ہیں۔ یعنی نماز کے فرائض واجبات شرائط سنن مستحبات کا لحاظ رکھتے ہوئے اس پر دوام کرتے ہیں۔ یعنی پوری اطاعت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

ومما رزقنا ھم ینفقون۔ جو کچھ ہم نے ان کو روزی دی ہے اس میں سے خرچ بھی کرتے ہیں۔ یعنی مال میں غرباء کا بھی حق یقین کرتے ہیں۔ وفی اموالھم حق للسائل و المحروم والذین یومنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک۔ یہ متقی لوگوں کا ہی تفصیلی حال ہے مومنین اہل کتاب ہی ضروری نہیں کہ اس سے مراد ہوں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ قل آمنا باللہ وما انزل علینا وما انزل علی ابراھیم و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ و عیسیٰ والنبیون من ربھم لانفرق بین احد منھم و نحن لہ مسلمون پ ۳ رکوع آخری اور پارہ اول رکوع آخری میں قولوا امنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الی ابراھیم و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب والاسباط و ما اوتی موسیٰ و عیسیٰ وما اوتی النبیون من ربھم الایہ بھی آیا ہے۔ اور سورہ بقر کے آخری رکوع میں یہ بھی آیا ہے۔ آمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمومنون کل امن باللہ و ملٰئکتہ و کتبہ و رسلہ لانفرق بین احد من رسلہ۔ اولٰئک علیٰ ھدی من ربھم و اولٰئک ھم المفلحون یعنی یہی لوگ ہیں جن کو اپنے رب کی طرف سے ہدایت مل گئی۔ اور آخرت میں کامیاب ہوں گے۔

تقویٰ کا معیار!

خادمۃ القرآن

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ گھر تشریف فرما ہیں، باہر کوئی صاحب دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں، امام صاحبؒ اپنے صاحبزادے عبداللہ سے فرماتے ہیں دیکھو تو کون ہے، عبداللہ کہتے ہیں کوئی خاتون ہے، اندر آنے کی اجازت چاہتی ہیں، حضرت امام احمد رحمہ اللہ اجازت دے دیتے ہیں، خاتون اندر آتی ہے اور سامنے مؤدب ہو کر سلام کر کے بیٹھ جاتی ہے، عرض کرتی ہے حضرت دریافت آپ سے پوچھنی ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں پوچھو، وہ گزارش کرتی ہیں کہ حضرت میں سوت کات کر گذر بسر کرتی ہوں، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ تیل کم ہونے کی وجہ سے چراغ بجھ جاتا ہے۔ ایسی صورت میں جب چاند کی روشنی آ جاتی ہے تو سوت کاتنا شروع کر دیتی ہوں۔ میں چونکہ غریب ہوں زمانہ کی سختیوں میں گرفتار ہوں، اس لیے مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ کام دوسرے روز پر اٹھا رکھوں، تو آپ سے دریافت یہ کرنا ہے کہ جب سوت بیچوں تو آیا مجھے گاہک سے صاف صاف کہہ دینا چاہئے کہ یہ سوت چراغ کی روشنی میں کاتا گیا ہے اور یہ چاند کی روشنی میں تیار ہوا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ پوچھتے ہیں کیا دونوں میں کچھ فرق ہوتا ہے؟ خاتون جواب دیتی ہیں، چاند کی روشنی چونکہ کم ہوتی ہے اس لئے اس میں کاتا ہوا سوت ذرا موٹا ہوتا ہے اور دوسرا نسبتاً باریک۔

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں تمہارا فرض ہے کہ اتنا فرق بھی کھول کر گاہک کو بیان کر دو۔ ملاحظہ کیجئے (یعنی معاملات میں اتنی دیانت تو ہونی چاہئے) پوچھنے والی اور جواب دینے والے کی اپنی اپنی ذمہ داریوں کا اندازہ کیجئے دیانت اور تقویٰ کا معیار کتنا اونچا ہے خاتون کی تسلی ہو جاتی ہے اور وہ دوسرا سوال پوچھتی ہیں۔

کہ حضرت اگر مریض بیماری کی تکلیف سے کراہنے لگے اور شدت الم سے چیخ و پکار کرے تو کہیں اللہ تعالیٰ کے حضور شکوہ تو تصور نہیں ہوگا۔ اللہ اکبر ان بزرگوں کو اللہ کی خوشنودی اس حد تک مدنظر اور اس کی رضا یہاں تک مطلوب ہے کہ ہماری کوئی بات بھی ناگوار نہ ہو۔

امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں ارجو ان لا یکون۔ یعنی اس کی بے پایاں رحمتوں سے توقع یہی ہے کہ

وہ ہماری کمزوریوں کے پیش نظر اسے شکوہ قرار نہیں دے گا۔ بلکہ اسے اپنی طرف رجوع و التجا ہی کا فقرہ ٹھہرائے گا۔ خاتون یہ سن کر رخصت چاہتی ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ اجازت مرحمت فرمادیتے ہیں اور وہ چل دیتی ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اپنے بیٹے عبداللہ سے کہتے ہیں کہ جس عورت کی دیانت اور تقویٰ کا یہ حال ہے اسے معلوم تو کرو کون ہے؟ عبداللہ اس کا پیچھا کرتے ہیں اور وہ جب مختلف راستوں سے ہوتی ہوئی بشر بن حارث رحمہ اللہ کے مکان میں داخل ہوتی ہے تو یہ لوٹ آتے ہیں۔ اور باپ سے آکر کہتے ہیں کہ یہ خاتون بشر بن حارث رحمہ اللہ کی حقیقی بہن ہے۔ امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ میرا بھی یہی خیال تھا کہ یہ انہیں کی بہن ہوسکتی ہے۔

بشر بن حارث رحمہ اللہ اپنے زمانے کے مشہور صلحاء میں سے تھے۔ ان کی بہن زیدہ ان کے متعلق ایک قصہ بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ رات کو یہ گھر آرہے تھے جوں ہی گھر کی دہلیز پر قدم رکھا ان کو ایک گہری سوچ نے آگھیرا اور رات بھر اسی طرح کھڑے رہے۔ صبح کی اذان ہوئی تو محویت کا یہ عالم مؤذن کی اذان سن کر دور ہوا میں نے پوچھا بھائی کس فکر میں ڈوبے ہوئے تھے۔

کہنے لگے بہن اللہ تعالیٰ کے ایک بڑے انعام کی طرف اچانک خیال منتقل ہوگیا میں سوچ رہا تھا کہ میرے کئی ہم نام اور بھی ہیں۔ ایک آدمی عیسائی ہے اور ایک آدمی یہودی ہے۔ ایک آدمی مجوسی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ کتنا بڑا کرم ہے کہ مجھے اس نے اپنی رحمت خاص سے نوازا ہے اور اپنی محبت کا ذوق بخشا اور اپنے نام لیواؤں میں جگہ دی۔ میں انہی کیفیتوں سے سرشار تھا کہ صبح کی اذان ہوگئی اور بیدار ہوا۔ بشر بن حارث رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ زہد و تقویٰ اور طاعت کا چسکا اول اول مجھے اپنی بہن مخہ کی صحبت میں رہنے سے پڑا۔ مخہ اسی پاک باز خاتون کا نام ہے جو امام احمد رحمہ اللہ کے پاس آئی تھیں۔ ان کی حلال کے بارے میں احتیاط (غلو) کی حد تک پہنچی ہوئی تھی۔ یعنی یہ کھانا بھی کھاتیں تو مٹھیاں جبل کے خودرو جو کی روٹی اور خوشہ چینی اور خود اپنے ہاتھ سے پکاتیں۔

آہ یہ اس وقت کی باتیں اور اس دور کے قصے ہیں جب مسلمان خدا سے ڈرتا تھا اور سمجھتا تھا کہ اس کا اللہ تعالیٰ سے براہ راست ایک طرح کا معاملہ ہے اور وہ اپنے عمل کیلئے اس کے سامنے جواب دہ ہے آج کے مسلمان کا مقابلہ کیجئے دونوں میں کوئی نسبت بھی ہے؟

مسلمانو! ہوشیار رہو، اپنا ایمان بچاؤ

کچھ عرصہ سے معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں میں کچھ نا سمجھ افراد یورپی ممالک میں جا کر سیاسی پناہ حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو قادیانی ظاہر کر کے وہاں کے محکموں میں بیان حلفی داخل کراتے ہیں۔ اس کے پیچھے قادیانی لابی متحرک ہے۔ اس پر ہمیں کئی دفع لوگوں نے سوالات بھیجے ہیں

(۱)۔ کیا ایسا شخص مسلمان رہ جاتا ہے؟

(۲)۔ کیا ایسے شخص کے ساتھ کسی مسلمان لڑکی کا نکاح کیا جا سکتا ہے؟

(۳) اگر ایسا شخص پہلے سے شادی شدہ ہے تو کیا اس کی بیوی اس کے نکاح میں رہی یا نہیں، وہ اب کیا کرے؟

(۴)۔ کیا ایسے شخص کی توبہ قبول ہو سکتی ہے، اگر ہو سکتی ہے تو اس کی کیا شکل ہے؟

جواب

(۱)۔ امت مسلمہ اور پاکستان اسمبلی کے متفقہ فیصلے کے مطابق قادیانی غیر مسلم اقلیت ہیں۔ ان پر وہی احکام لاگو ہوتے ہیں جو کہ دوسرے تمام غیر مسلم لوگوں پر ہوتے ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی شخص جناب محمد ﷺ کی ختم نبوت کا اقرار کرتے ہوئے بھی اپنے آپ کو غیر کے سامنے قادیانی ظاہر کرتا ہے تو ایک طرح سے علی الاعلان وہ عقیدہ ختم نبوت کا منکر ہے، وہ شخص نہ صرف دائرہ اسلام سے خارج ہے بلکہ مرتد بھی ہے۔

(۲)۔ کسی بھی غیر مسلم اور خصوصاً مرتد کے ساتھ مسلمان عورت کا نکاح جائز نہیں۔

(۳) اگر کوئی شخص شادی کے بعد قادیانی ہو گیا تو اس کی بیوی کا نکاح بروئے شریعت باقی نہیں رہا۔ وہ عورت اس مرتد سے طلاق لیے بغیر عدت پوری کر کے دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے۔

(۴) ایسے شخص کی توبہ عام طریقہ سے قبول نہیں۔ اس کی توبہ صرف اس شکل میں قبول ہو سکتی ہے کہ وہ اسی محکمہ میں جائے جس میں اس نے پہلے اپنے آپ کو قادیانی بنا کر پیش کیا تھا۔ یہ کہے کہ میں نے آپ کے محکمے سے یہ جھوٹ بولا تھا کہ میں قادیانی ہوں۔ اب میں وضاحت کرتا ہوں کہ میں قادیانی نہیں ہوں۔ اس کے بعد وہ توبہ کرے۔ اس کے بغیر توبہ قبول نہیں۔ کیونکہ قادیانی ہر سال اسی قسم کے محکموں سے لوگوں کے قادیانی ہونے کی تصدیق کروا کر دنیا کو دھوکہ دینے کے لیے اپنی رپورٹ شائع کرتے ہیں کہ دیکھو اس سال اتنے لوگ قادیانی ہو گئے ہیں۔

منجانب۔ ابن انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی، فیصل آباد
مولانا حاجی اکرم ساد، نیو یارک (امریکہ)

MONTHLY MAGAZINE **Millia** FAISALABAD PAKISTAN
JAMIA MILLIA ISLAMIA
Reg:M # FD-16
MOHALLAH KHALSA COLLEGE FAISALABAD Ph:041-8711569
E-mail: milliafsd@hotmail.com Fax # 041-8724335



جامعہ ملیہ اسلامیہ (المسجلہ)

تاریخ داخلہ برائے طلباء 6 شوال

درجہ رابعہ، درجہ ثالثہ، درجہ ثانیہ درجہ اولی، درجہ متوسطہ	میٹرک مع درجہ اولی درجہ حفظ

انگلش لینگویج، عربی لینگویج اور کمپیوٹر کی تعلیم کا خاص اہتمام

وفاق المدارس کے نصاب کے ساتھ بی اے تک تعلیم کا اہتمام

درجہ حفظ اور گردان میں طلباء کا داخلہ جاری ہے

داخلہ برائے طالبات

تاریخ داخلہ برائے طالبات 9 شوال

شعبہ کتب کے تمام درجات (عامہ، خاصہ، عالیہ، عالمیہ) میں ہوگا
درجہ حفظ اور گردان میں طالبات کا داخلہ جاری ہے

نوٹ: داخلہ صرف شہری طالبات کا ہوگا

جامعہ کے شعبہ جات

برائے طلباء

درجہ کتب
وفاق المدارس کے نصاب کے ساتھ بی اے تک تعلیم

درجہ حفظ
4 سالہ نصاب میں حفظ کے ساتھ 8 تک تیاری

برائے طالبات

درجہ کتب
عامہ، خاصہ، عالیہ اور دورہ حدیث شریف

درجہ حفظ
4 سالہ نصاب میں حفظ کے ساتھ پرائمری تک تیاری

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی مہتمم **جامعہ ملیہ اسلامیہ**
محلہ خالصہ کالج فیصل آباد
041-8711569-03009657076